



اُس کی ڈائری

شکیل احمد چوہان

ناول

شکیل احمد چوہان

اُس کی ڈائری

دل کی ڈائری بھی عجیب ہوتی ہے وہاں کاغذ قلم کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ...... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ڈائری لکھ رہا ہوں، پہلے اپنی کاپیوں سے ڈائری کا کام لیتا تھا، پھر عارفہ نے مجھے سعودیہ سے آئی ہوئی ڈائریاں گفٹ کرنا شروع کر دیں، آخری بار اُس نے مجھے سن 1998 کی دو ڈائریاں گفٹ کی تھیں ایک میں نے رکھ لی اور دوسری میں نے بسما کو اپنی محبت کے تحفے کے طور پر پیش کر دی تھی۔ بسما کو وہ میں نے پہلا اور آخری تحفہ دیا تھا۔ بات ڈائری کی ہو رہی تھی اور تحفے تک جا پہنچی، اب میری بیگم ہر سال مجھے ایمپورٹڈ ڈائری کا تحفہ دیتی ہے۔ یہ تو ہوئی کاغذ کی ڈائری کی بات جس پر ہم ہاتھ سے لکھتے ہیں اس کے برعکس دل کی ڈائری پر بغیر کچھ لکھے ہی سب کچھ نقش ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں تو انسان بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر دل کی دنیا میں ایسا نہیں ہوتا، وہاں محبتیں مرتی نہیں اور عمریں بڑھتی نہیں، جب بھی آپ دل کے دریچے کھول کر اندر جاتے ہیں، تو آپ کو سب کچھ ویسے ہی لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے، میرے ساتھ بھی آج کل ایسے ہی کچھ ہو رہا ہے، پتہ نہیں محبت دل سے نکلتی ہی نہیں یا دل میں رہ جاتی ہے یا پھر ایسے کہہ لیں کہ محبت دل سے کی جاتی ہے اور یادیں دل کی ڈائری پر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ کاغذ کی ڈائری پر لکھی ہوئی یادوں کی بجائے میں دل کی ڈائری پر نقش یادوں کو آجکل کاغذ پر اُتار رہا

ہوں بلکہ تقریباً اُتار چکا ہوں۔ آپ کے ذہن میں سوال تو اُٹھا ہوگا۔ ''کیوں......؟''

بتاتا ہوں! ایک میگزین کا بہت چرچا سنا ہے۔ ایسے ہی ایک دن اس میگزین کی ایڈیٹر سے موبائل پر بات کرلی میں نے پوچھا ''اگر میں کہانی لکھوں تو آپ کے میگزین میں میری کہانی کو جگہ ملے گی؟'' ایڈیٹر صاحبہ نے جواب دیا:

''اگر آپ کی کہانی اِس قابل ہوئی تو ضرور جگہ ملے گی۔''

اس لیے میں نے کہانی لکھی۔ مجھے نہیں پتہ کہانی، افسانہ، ناولٹ اور ناول میں کیا فرق ہوتا ہے، میں لکھاری بھی نہیں ہوں، مجھے لکھنے کی تکنیک بھی نہیں آتی، میں نے تو اپنی زندگی کا سچ اپنے حساب سے As it is لکھ دیا ہے۔

☆......☆......☆

''تین برگر......؟'' بیگم نے حیرانی سے بل کو دیکھتے ہی بول دیا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنا کیبن بند کردیا اور خود صوفے پر بیٹھ گیا۔ بیگم میرے سامنے کھڑی ہو کر پوچھنے لگی:

''نمبر 2 کی نشانی ہے......نا؟'' بیگم نے میرے چہرے پر اپنی نگاہیں ٹکا رکھی تھیں۔ میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے گردن کو نفی میں ہلا دیا۔

''نمبر 3 کی......؟'' بیگم نے لجاجت سے اگلا سوال پوچھ لیا۔ میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر بیگم کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہنے لگا:

''نہیں......!!''

''پھر تو یہ آپ کی سب سے پیاری محبوبہ نمبر 1 ہی کی نشانی ہو سکتی ہے۔'' بیگم نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔

''اتنے سال ہوگئے ہماری شادی کو۔ تم سے کبھی کوئی بات چھپائی ہے کیا......؟''

''چھپاتے کیسے جی میں تو شادی کے پہلے ہی سے آپ کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔''

''میں بھی شروع ہی سے تمھیں ایک ذہین فطین عورت مانتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے بیگم کو کندھوں

سے دبا کر کہا تھا۔

''زیادہ مسکا پالش لگانے کی ضرورت نہیں.....تین برگر والا معاملہ کیا ہے۔'' بیگم کی سوئی وہیں ہی اٹکی ہوئی تھی میں نے پہلے کی طرح بات ٹالنے کی کوشش کی:

''چائے ملے گی کیا......؟'' بیگم نے مسکرا کر میری طرف دیکھا پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ میری بیگم کا سچ میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ میں اِس حوالے سے بڑا ہی خوش نصیب ہوں وہ بیوی کم اور دوست زیادہ ہے۔ سچ کہوں اُس جیسی 4 بیویاں بھی سر درد نہیں بنتیں۔ پھر بھی مجھے کبھی بھی چار بیویوں کی خواہش نہیں رہی۔ میں تو اس کی لمبی عمر کی دعائیں مانگتا ہوں، آج کل وہ بیمار رہنے لگی ہے، گھر میں ملازموں کی کمی نہیں ہے اس کے باوجود میرے سارے کام وہ خود کرتی ہے۔

وہ بل دیکھ کر اُس کی حیرت فطری تھی، ذہن میں سوال تو اُٹھتا ہے......؟ یہی سوال میری بیگم کے ذہن میں بھی اُٹھا تھا۔ اُس بل کی کہانی کسی محبوبہ کے ساتھ ہی جُڑی ہو سکتی ہے۔ بیگم چائے لائی اور جا کر بیڈ پر لیٹ گئی میں چائے کا کپ اُٹھائے اپنے اسٹڈی روم میں چلا گیا اور اپنی زندگی کی کہانی پڑھنے لگا۔ جسے میں نے کہانی ہی کی طرح لکھا تھا۔

☆......☆......☆

مجھے تو آج تک یہ سمجھ نہیں آئی یہ محبت آخر چیز ہے کیا۔ میری زندگی میں جتنی بھی عورتیں آئیں میں نے کبھی کسی کو خود سے نہیں چھوا تھا۔ آج کل جسم کو پہلے چھوتے ہیں اور محبت بعد میں کرتے ہیں پتہ نہیں یہ محبت ہے یا کچھ اور......؟ دعویٰ تو محبت کا ہی کیا جاتا ہے۔ میں نے یا مجھ سے جتنی بھی عورتوں نے محبت کی آج سب کی سب اپنی اپنی یادوں کو لے کر میرے ذہن پر سوار ہیں۔ کبھی ایک کا خیال دماغ پر دستک دے رہا ہے اور کبھی دوسری کا۔ پتنگ کی ڈور کی طرح محبت کی ساری ڈوریں ایک دوسری سے اُلجھی ہوئی ہیں۔ محبت کی کہانی کب شروع ہو جائے اور کہاں اُس کا اختتام ہو یہ کم از کم میں تو نہیں جان سکا۔

شاید محبت خیال کی طرح ہے کب آ جائے ذہن میں اور دوسرے ہی لمحے چلا بھی جائے، اِسی طرح محبت زندگی میں کب آتی ہے اور کب چلی جاتی ہے پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہم انسان بھی بڑے بھولے ہیں ہم نے محبت کو

جسموں کے ساتھ مشروط کر دیا ہے حالانکہ محبت تو جذبوں کا نام ہے۔اب سوال یہ اٹھتا ہے اگر محبت جذبوں کا ہی نام ہے تو پھر کسی انسان کے جانے سے زندگی سے محبت کیوں چلی جاتی ہے اور کسی کو پانے سے محبت کیوں مل جاتی ہے۔آج میں آپکو اُن ساری پتنگوں سے ملواتا ہوں جو محبت کے افق پر اُڑیں تھیں پھر یا تو کٹ گئیں یا کوئی دوسرا لوٹ کر لے گیا اُن کی ڈوریں میرے پاس ہیں یادوں کی صورت میں۔

☆......☆......☆

میں اور نبیل جگری دوست تو تھے ہی ساتھ ہی ساتھ کبوتر باز بھی تھے۔نبیل پڑھنے میں لائق تھا مگر اُس کی منطق اُس وقت میری سمجھ سے تو باہر تھی ، نہ تو وہ ملازمت کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اپنا خاندانی دودھ دہی کا کاروبار۔ اُس نے اپنے فیصلے خود لیے سپئیر پارٹس کا بزنس شروع کیا اور ساتھ ساتھ پرائیویٹ اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ہم ہر روز رات کو چھت پر بیٹھ کر اپنی اپنی محبتوں کی باتیں کرتے یا پھر اپنے کبوتروں کی ......ہمارے گھر والوں کو اعتراض اِس لیے نہ تھا کہ ہم دونوں چھت پر ہی بیٹھتے ہیں۔نبیل لاری اڈے سے اپنی سپئیر پارٹس کی دُکان بند کرنے کے بعد سیدھا گھر آتا میں اُس کا اکلوتا دوست تھا اور وہ میرا۔نبیل اپنی دور کی پھوپھو کی بیٹی فرزانہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور میں ثانیہ سے۔ جسے میں پیار سے دل میں ثانی کہتا تھا۔ایک دفعہ ثانیہ کے سامنے اُسے ثانی کہہ بیٹھا تو ثانیہ نے مجھے ڈانٹ دیا کہ میرا نام ثانیہ طلعت ہے خبردار جو میرا اُلٹا نام لیا، اُس کے بعد کبھی ثانی کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

نبیل کی فیملی چھوٹی تھی ۔ بڑا بھائی خلیل جس کے حصے میں خاندانی دودھ دہی کی دکان آئی تھی ،وہ پاس ہی الگ گھر میں رہتا تھا۔نبیل کے گھر میں اُس کے امّاں ابا کے علاوہ اُس کی چھوٹی بہن عالیہ تھی جسے سب پیار سے عالی کہتے تھے۔عالی ہر روز ہمارے لیے رات کو چھت پر گرم دودھ کا ایک ایک پیالہ لے کر آتی تھی۔

☆......☆......☆

ثانیہ طلعت میری کزن پتلی سی، سانولی سلونی مگر پر کشش، مغرور اور گھمنڈی ہمیشہ کڑوی بات کرتی، اِس کے باوجود مجھے پسند تھی ۔بچپن میں ایک بار نانی کے منہ سے سُنا تھا۔ثانیہ اور مہروز کی جوڑی بڑی اچھی لگے گی ،بس اُس کے بعد وہ میری رانی اور میں اُس کا راجا۔خالہ ہر سال گرمیوں کی یا دسمبر کی چھٹیوں میں اپنے بچوں

کو لے کر لاہور آتیں، خالو کے بھی بہت سارے رشتے دار لاہور ہی میں تھے۔ ایک سال جب خالہ ہمارے گھر آئیں نانی بھی تب زندہ تھیں۔ ثانیہ نانی کے پاس بیٹھے ہوئے میری ایک رف گلابی کاغذوں والی کاپی پر بے خیالی سے بال پین سے اُلٹی سیدھی لائنیں لگا رہی تھی۔ ثانیہ کو خالہ عطیہ نے آواز دی تو وہ اُٹھ کر چلی گئی۔ ثانیہ کے جاتے ہی میں نے وہ کاغذ اپنی کاپی سے پھاڑا اور سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ چوبیس سال پرانا وہ کاغذ آج بھی میرے پاس ہے اِس کے ساتھ ساتھ "آشیانہ" کے نام سے لکھا ہوا ایک مضمون بھی جو اُس نے میری چھوٹی بہن کو لکھ کر دیا تھا میری بہن نے اُسے دیکھ کر اپنا ہوم ورک مکمل کیا اور اُس مضمون کو ردی میں رکھ دیا جہاں سے میں نے اُسے اُٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا جسے میں نے "ث" نامی فوٹو البم میں لگا رکھا ہے۔ آپ کے ذہن میں سوال تو یقیناً اُٹھا ہوگا البم کا نام "ث" کیوں رکھا۔۔؟ سیدھی سی بات ہے ث سے ثانیہ..... ثانیہ سے جُڑی ہر وہ چیز جو مجھے میسر آئی میں نے آج بھی سنبھال کر رکھی ہے



"میں نے تمھارے لیے ایک بہت ہی پیاری لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے۔" نانی نے شفقت سے میرے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے یہ خوش خبری سنائی میں نے عجیب نظروں سے نانی کی طرف دیکھا وہ مسکرا کے کہنے لگی:

"اپنی بسما!!"

"بسما....." میں حیرانی سے بولا تھا۔ بسما میری چھوٹی خالہ آسیہ کی بیٹی تھی چھوٹی خالہ کو میں اُن ہی کی خواہش کے مطابق خالہ کی بجائے ماسی کہتا تھا۔ وہ لوگ ٹاؤن شپ میں رہتے تھے۔ ہمارا اُن کی طرف آنا جانا کم ہی تھا جو وہی ہماری غربت۔ خالو وکیل تھے اوپر سے اُن کا اپنے بھائیوں کے ساتھ سانجھا کاروبار بھی تھا۔ خالو ہم سے میل جول کم ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے نبیل سے اُس کی موٹر سائیکل لی نانی نے اُس میں پیٹرول ڈلوا دیا۔ میں اور نانی ثانیہ کی منگنی کی مٹھائی لے کر ٹاؤن شپ پہنچ گئے۔

سردی کا موسم اور اتوار کا دن ماسی چھت پر بیٹھی ہوئی اپنے پوتے کے لیے دیا سلائیوں کی مدد سے سوئیٹر بُن رہی تھی میں اور نانی چھت پر ہی چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد بسما کالے لباس میں ملبوس چائے کی ٹرے اُٹھائے آن پہنچی۔ اُن دنوں بسما کی رنگت مکھن سے زیادہ سفید تھی۔ روشن پیشانی موٹی موٹی سرخ ڈوروں والی

آنکھیں، اُجلا چہرہ، لمبی گردن، چمکتے دانت ساون کی کالی رات کی طرح کالے سیاہ گیسو۔اُس دور میں ساری رشتے داری میں بسما جتنی کوئی بھی لڑکی حسین نہ تھی۔بسما جتنی حسین تھی اُتنی ہی خوش اخلاق بھی بات بات پر ہنس دیتی، ہنستی تو گال کے ایک طرف ڈمپل پڑتا تھا۔

''مہروز چائے......!!''بسما نے میرے سامنے چائے کا کپ کرتے ہوئے کہا تھا۔میں نے کپ اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اُس کو غور سے دیکھا وہ بھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔بسما کے گورے مکھڑے پر چھوٹے چھوٹے سرخ کیل مہاسے تھے جیسے اکثر نوجوان لڑکیوں کے مکھڑے پر ہوتے ہیں۔چائے ختم کرنے کے بعد نانی اور ماسی کسی مریض کی عیادت کو چلی گئیں۔بسما 4 بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی دو بڑے اور دو چھوٹے سب سے بڑا اپنے سسرال گیا ہوا تھا اپنی بیگم کے ساتھ اُس سے چھوٹا قطر میں ہوتا تھا اور بسما سے دونوں چھوٹے والے کرکٹ میچ کھیلنے گئے تھے اور خالو صاحب اپنے دوستوں کی طرف ،نانی اور ماسی کے جانے کے بعد میں اور بسما گھر پر اکیلے ہی تھے۔

دو فٹ کی دوری پر بسما میرے سامنے کرسی پر بڑے اعتماد کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

ایک دن سردیوں کی چمکتی دھوپ میں چھت پر اپنے کبوتروں کو دانہ ڈال رہا تھا۔

''لو مٹھائی کھاؤ۔''میں پلٹا نبیل میرے پیچھے کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ تھی۔

''تم آج دُکان پر نہیں گئے''میں نے برفی کی ایک ڈلی پلیٹ میں سے اُٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آج عالی کی منگنی تھی۔''

''اچھا......کہاں کی ہے۔''

''گوجرانوالہ میں......لڑکے کی دودھ دہی کی دُکان ہے۔''

''بھابھی صغریٰ اور خلیل بھائی آئے تھے منگنی پر......؟''میں نے پوچھا تھا۔نبیل نے جواب دیا: ''ابا جی نے منایا تھا''میں اُن کے خاندانی اختلاف سے واقف تھا اِس لیے مزید بات نہیں کی خلیل بھائی اپنے سالے سے عالی کا رشتہ کروانا چاہتے تھے جس کے حق میں نبیل نہیں تھا۔ہم دونوں ہی مٹھائی کھاتے ہوئے

کچھ سوچنے لگے:

’’تم نے لڑکے کے بارے میں نہیں پوچھا......؟‘‘ میں مٹھائی کھاتے ہوئے چونک پڑا تھا۔

’’تم نے رشتہ کیا ہے تو اچھا ہی ہوگا۔‘‘

’’عالی کو گجروں کے گھر نہیں پیدا ہونا چاہیے تھا۔‘‘ نبیل کی بات سُن کر میں مسکرایا تھا، اِس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا میں نے دیکھا ایک پلیٹ عالی بھی اُٹھائے ہوئے چھت پر آئی اور آتے ہی نبیل کو پیغام دے دیا:

’’ابا جی بلا رہے ہیں بھائی!‘‘ نبیل جلدی سے نیچے چلا گیا۔

’’مبارک ہو عالی!‘‘

’’مبارک کس بات کی‘‘ عالی نے تلخی سے پوچھا۔

’’تمھاری منگنی ہوئی ہے۔‘‘

’’شادی نہیں ہوگی جی۔‘‘ عالی نے شکایتی نظروں سے مجھے دیکھا اور یہ بول کر ہمارے گھر کی سیڑھیاں اُتر گئی۔ عالی دکھنے میں حسین تھی وہ ہمیشہ بڑی سی چادر میں لپٹی رہتی، میٹرک تک وہ ہمیشہ کلاس میں فرسٹ ہی آئی مگر اُس نے کالج میں ایڈمشن نہیں لیا نہ میں نے کبھی نبیل سے پوچھا نہ ہی اُس نے بتایا۔ عالی کو میں نے کبھی بھی ننگے سر نہیں دیکھا تھا۔ میرا ماننا ہے پردہ عورت کی خوبصورتی کو چھپاتا نہیں ہے بلکہ بڑھاتا ہے، عورت جس قدر کپڑوں میں لپٹی ہوگی وہ اُس قدر ہی پرکشش نظر آئے گی، ایسا ہی کچھ معاملہ عالی کے ساتھ بھی تھا وہ اپنے خیالوں میں کھوئی رہتی یا پھر گھر کے کاموں میں مصروف ایک دم شانت گم سم رہنے والی لڑکی اُس دن میں اُس کا جواب سُن کر حیران رہ گیا تھا۔ میں کچھ دیر عالی کے جملے پر غور کرتا رہا پھر دانے والی پلیٹ اُٹھا کر کبوتروں کو دانہ ڈالنے لگا۔

☆......☆......☆

’’عائشہ!! تم بھی مہروز کی منگنی کر دو۔‘‘ میں نے یہ سُنا تو میرے دل نے پھدکنا شروع کر دیا۔

’’ماں جی!! کہاں کر دوں منگنی......؟‘‘ امّی نے نانی کی بات کو ہلکے میں لیا تھا، نانی نے میرے طرف دیکھا اور پوچھنے لگیں:

''مہروز!! بسما سے کر دیں تمہاری منگنی!!'' اس سے پہلے میں کچھ کہتا امی جلدی سے بول پڑیں:

''امی جی!! بھائی رشید کے سامنے مت کہہ دیجئے گا باجی جو کبھی کبھی ہم سے مل لیتی ہیں رشید بھائی اُس پر بھی پابندی لگا دیں گے۔''

''جانتی ہوں رشید کو بھی اور اُس کے باپ کو بھی......وہ کون ہوتا ہے پابندی لگانے والا......تم اپنی بات کرو......؟ تمھیں لڑکی پسند ہے یا نہیں۔'' نانی کی بات ختم ہوئی۔ امی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''آپ کی مرضی!!'' میں نے انجان بنتے ہوئے خشک سے انداز میں کہا تھا۔

''ماں جی!! میں مہروز کے ابو سے پوچھ لوں۔'' امی نے نانی کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

''میں پوچھ چکی ہوں اُسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' نانی نے فٹ سے کہہ دیا امی نے حیرت سے نانی کی طرف دیکھا۔ آخر وہ میری ماں کی ماں تھیں۔

''کہا نا......پوچھ چکی ہوں۔'' امی نہ جانے کیا کہنا چاہتی تھیں مگر نانی کو کہہ نہ سکیں۔ نانی پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگیں:

''مہروز تم نبیل سے موٹر سائیکل لے آؤ اور آج ہی مجھے ٹاؤن شپ چھوڑ آؤ جیسے ہی مجھے کوئی مناسب وقت ملے گا میں رشید اور آسیہ سے بات کرتی ہوں۔''

میں پوری آب و تاب کے ساتھ نانی کو لے کر ٹاؤن شپ پہنچا۔ خالو رشید طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے گھر پر ہی تھے خالو کی طبیعت تو کچھ بہتر ہو چکی تھی اُن کو گھر پر دیکھ کر میری طبیعت ضرور خراب ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے بھی خالو نے مجھے اپنی نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دیا میں صرف بسما کے ہاتھ اور پاؤں ہی دیکھ سکا۔ خالو کی موجودگی میں بسما کے گھر رُکنا فضول تھا اِس سے پہلے کہ خالو مجھے خود واپس جانے کے لیے کہتے میں نے عزت سے اُٹھنا ہی بہتر سمجھا۔

☆......☆......☆

''مہروز!! مجھے دُکان بند کر کے جانا پڑے گا تم اپنی ماں کو ہاسپٹل لے جاؤ۔ سالم رکشہ مہنگا پڑے گا ویگنوں میں کہاں دھکے کھاتے پھرو گے ویسپا ٹھیک رہے گا۔'' اِس سے پہلے کہ ابو یہ کہتے اپنے تایا کا ویسپا لے آؤ میں خود

ہی جلدی سے بول پڑا:

''ابو!! میں نبیل کی موٹر سائیکل لے آتا ہوں۔'' تائی جی کو میں کبھی بھی ایک آنکھ نہ بھاتا تھا تائی جی کی جلی کٹی سننے سے بہتر تھا ویسپا کی بجائے نبیل سے موٹر سائیکل ہی مانگ لی جائی۔

ہاسپٹل پہنچا تو نانی کی حالت کافی بہتر تھی۔امی کو بھی اپنی ماں کو دیکھ کر سکون مل گیا تھا۔میری مشتاق نگاہیں اردگرد کسی کو تلاش کر رہی تھیں نانی اور ماسی نے میری بے چینی بھانپ لی تھی۔ ماسی امی کو لے کر باہر چلی گئی اور نانی اپنی تکلیف بھول کر فوراً مجھ سے مخاطب ہوئیں:

''تم نے دیر کر دی۔کالج سے سیدھی آئی تھی ابھی ابھی نکلی ہے......کل پھر کالج کے بعد آئے گی۔دُعا کرو مجھے کل تک چھٹی نہ ملے'' نانی نے معصوم بچے کی طرح ساری خبر سنائی تھی۔میری بسما سے ملاقات نہ ہونے کا مجھ سے بھی زیادہ افسوس نانی کو تھا۔آج نانی کو یاد کرتا ہوں تو نانی کی معصوم باتوں پر بھی پیار آجاتا ہے۔



میں نے بسما سے ملاقات کے لیے اگلے دن اپنے کالج سے چھٹی کی اپنی سب سے اچھی پینٹ شرٹ اور کوٹ پہنا جو سب مجھے تحائف ملے تھے،سائیکل کی بجائے موٹر سائیکل پر CMH جانے کا فیصلہ کیا جب موٹر سائیکل مانگنے کے لیے نبیل کی دکان پر پہنچا تو پتہ چلا موٹر سائیکل اور نبیل صاحب دونوں ہی دکان سے غائب ہیں۔

اتنی اچھی پینٹ شرٹ اوپر سے کوٹ ہاتھ میں CASIO کی ڈیجیٹل گھڑی میں سائیکل چلاتا ہوا اچھا لگوں گا۔دل میں خیال گزرا تھا۔جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف چالیس روپے نکلے تھے۔عارفہ یاد آ گئی عارفہ میرے تایا کی بیٹی اُس کے دو ہی شوق تھے اچھے کپڑے اور اچھی خوراک۔کھا کھا کے وہ کافی موٹی ہو گئی تھی پھر بھی دکھنے میں اچھی تھی، گوری چٹی، گول مٹول۔پڑھنے میں ایک دم نالائق میٹرک میں تین بار فیل ہونے کے بعد اُس نے خود ہی تعلیم کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔تایا کے گھر پہنچا تو تایا تائی تو عارفہ کے سسرال گئے ہوئے تھے اُنہیں عارفہ کے منگیتر تنویر نے بلایا تھا۔عارفہ بھی میرے ٹھاٹھ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

''اوئے مطلبی آدمی......کیسے ہو......؟'' عارفہ نے گھر کا دروازہ کھولتے ہی کہہ دیا تھا۔

''تائی گھر پر ہیں......؟'' میں نے ہولے سے پوچھا حالانکہ میں جانتا تھا۔

''آ جاؤ......آ جاؤ......گھر پر کوئی نہیں ہے......'' عارفہ اندر جاتے ہوئے بولی میں اُس کے پیچھے ہولیا میں نے چلتے چلتے ہی آنے کی وجہ بیان کر دی۔

''وہ عارفہ......مجھے دو سو روپیہ اُدھار چاہیے تھا۔''

''پہلے کتنے ہیں۔'' عارفہ نے رُک کر مزے سے پوچھا تھا۔

''19 سو......'' میں نے فٹ سے بتا دیا عارفہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی:

''ہو تم ایماندار......'' یہ بول کر وہ کمرے میں گئی اور دو سو روپے لا کر میری ہتھیلی پر رکھ دیئے میں نے اپنی کوٹ کی آستیں اوپر کر کے اُس کی دی ہوئی گھڑی اُسے ہی دکھائی وہ مسکرا دی میں جلدی سے پلٹا اُس کی آواز میرے کانوں میں پڑی:

''اوئے آج اتنا بن ٹھن کر کہاں جا رہے ہو......؟''

''CMH ہاسپٹل بسما سے ملنے......'' میں نے عارفہ کو دیکھے بغیر چلتے چلتے ہی جواب دیا تھا۔

☆......☆......☆

ہاسپٹل سے گھر پہنچا تو ابو جی کی کڑکتی آواز نے میرا استقبال کیا تھا:

''وہ گھڑی کہاں ہے......؟''

''کون سی گھڑی......؟''

''جو عارفہ نے تمھیں تحفے میں دی تھی۔'' میں نے اپنے ابّو جی کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابّو کو کیسے پتہ چلا کہ میں نے وہ گھڑی 120 روپے میں بیچ دی ہے۔ میں ذہن پر زور دے کر سوچ رہا تھا۔ بیکری میں ابّو کا کون سا واقف تھا جس نے میرے آنے سے پہلے ہی یہ خبر ابو کو سُنا دی ہے۔

''بیٹا بتا دو......'' امی نے شفقت سے پوچھا۔

''وہ......تائی کی دوائی......'' میں کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا۔

''کیا ہوا اماں جی کو......وہ ٹھیک تو ہیں نا۔'' امی تو نرم پڑھ ہی گئیں تھی ابو بھی کچھ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

''نانی بالکل ٹھیک ہیں...... آپ فکر نہ کریں۔'' میں نے امی کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُنہیں تسلی دی تھی۔

''اُلو کے پٹھے...... اُس گھڑی کی وجہ سے...... تنویر نے عارفہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''ابو جی میں سمجھا نہیں۔''

''سُن رہی ہو...... مہروز کی ماں...... یہ سمجھا نہیں کیسا بھولا بنا بیٹھا ہے۔'' امی نے میری طرف شکایتی نظروں سے دیکھا پھر کہنے لگیں:

''جس دن میں نے اور ماں جی نے تم سے بسما کے بارے میں پوچھا تھا تم نے اُس دن مجھے کیوں نا سچ بتا دیا کہ تم اور عارفہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ کوئی لڑکی کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو عارفہ سے اچھی تو نہیں ہو سکتی نا۔''

''امی جی!! آپ غلط سمجھ رہی ہیں...... میرے اور عارفہ کے درمیان ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔''

''ایسا ویسا کچھ نہیں ہے تو پھر سالوں سے اُس سے تحفے کیوں لے رہے ہو۔ اُس نے تو بتایا ہے کہ جو کپڑے آج تم پہن کر گئے ہو۔ وہ سارے اُسی نے تمھیں گفٹ کیے ہیں۔ یہ پینٹ شرٹ، بیلٹ، کوٹ، صرف بوٹ تم نے میرے پیسوں سے خریدے ہیں۔'' میں نے خود کے سراپے پر واجی سی نظر دوڑائی بات تو ابو جی کی ٹھیک ہی تھی۔

''مہروز کی ماں اِسے کھانا دو۔'' ابو جی یہ بول کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ بھوک کس کافر کو تھی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرہ کیا ہے میں نے امّی سے درخواست کی:

''امّی مجھے ساری بات بتائیں......؟''

''پہلے تم مجھے ساری بات بتاؤ۔'' امی نے اُلٹا مجھ ہی سے پوچھ لیا تھا۔

''میں کیا بتاؤں......؟'' میں نے کھُلے منہ کے ساتھ پوچھا۔

''مہروز مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔'' امّی نے شکایتی انداز میں یہ کہا اور باورچی خانے میں چلی گئیں، تھوڑی دیر بعد میرے سامنے مونگ کی دال اور دو روٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔

''کھانا کھا کے برتن باورچی خانے میں رکھ دینا۔'' امّی نے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔

آدھا برگر کھانے کے بعد میں پاگل تھا جو مونگ کی دال کھاتا میں نے اُسی طرح برتن اُٹھائے اور باورچی خانے میں جا کے رکھ دیے۔ ساری رات مجھے بسما کا چہرہ دکھائی دیتا رہا۔ بسما کا باپ سمجھ کر میں نے خالو رشید کو بھی معاف کر دیا تھا۔ اگر وہ بسما کا باپ نہ ہوتا تو اُس کی ایسی کی تیسی کہ وہ مجھے تھپڑ مار دیتا۔ امی ابو کی ناراضی اُن کے غصے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ تایا کی بڑی بیٹی کلثوم کی جب بھی اپنے سسرال والوں سے اَن بَن ہوتی تو تنویر اور عارفہ کا رشتہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کلثوم کی صلح کے ساتھ ہی آٹو میٹیک ہی عارفہ اور تنویر کا رشتہ پھر سے ہو جاتا یہ روٹین کی بات تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن دوبارہ میں ہاسپٹل جانا تو چاہتا تھا مگر خالو رشید کا ڈر بھی تھا۔ کالج جانے کی بجائے نبیل کی دُکان پر پہنچ گیا۔ نبیل کو سارا قصہ سنایا، تو وہ پوچھنے لگا:

''جب تمہارے خالو نے تمھیں تھپڑ مارا تھا، اُس وقت تم نے بسما کا ہاتھ تو نہیں پکڑا ہوا تھا۔''

''دل تو چاہ رہا تھا مگر وہ کہنے لگی میں نے خود ہی تمہارا ہاتھ تھام لیا ہے اب تم مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔ اگر اُس کا ہاتھ پکڑتا تو وہ خالو کی جگہ خود ہی تھپڑ مار دیتی۔''

''مطلب......؟'' نبیل نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''مطلب یہ......وہ کہتی ہے ہماری شادی سے پہلے تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔''

''ثانیہ کو تو تم نے ہاتھ ضرور لگایا ہوگا۔'' نبیل نے بڑے وثوق سے اندازہ لگایا تھا۔

میں نے بڑی معصومیت سے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''تو تو بڑا ہی نالائق للو ہے۔'' نبیل نے پہلی بار مجھے اُس دن یہ لقب دیا تھا۔

''ثانیہ کو تو میں آج تک جی بھر کے دیکھ ہی نہیں سکا۔''

''بیٹا تو عاشقی واشقی چھوڑ دے یہ تیرے بس کا کام ہی نہیں ہے......میں اور فرزانہ پنڈی شادی میں گئے تھے سارے رستے تیرے بھائی نے فرزانہ کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔''

''نبیل مجھے بتا میں کیا کروں......؟ اپنی محبت کے قصے مت سنا۔''

"ساری رات وہ میرے سینے پر سر رکھ کے لیٹی رہی تھی۔" نبیل نے ایک اور شوخی ماری تھی۔

"یہ بھی جانتا ہوں...... مجھے بتا میں کیا کروں۔" مجھے نبیل پر شدید غصہ آ رہا تھا مگر اُسے میرے غصے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

"تو چند دن بسما سے کوئی رابطہ نا رکھ...... تیل دیکھ اور تیل کی دھار دیکھ۔" نبیل ایک تجربہ کار عاشق کی طرح بول رہا تھا۔



جولائی کا مہینہ تھا، ہلکی سی بارش کے بعد گرمی کی شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی، مغرب کی اذان سے کوئی آدھ گھنٹہ پہل یمیں اپنے گھر کی چھت پر اپنے اور نبیل کے مشترکہ کبوتروں کو دانہ ڈالنے کی غرض سے پہنچا۔ ہمارے اور نبیل کے گھر کی چھتیں ساتھ ساتھ تھیں، کبوتروں والا کھڈا نبیل کی چھت پر تھا کیا دیکھتا ہوں ثانیہ ہماری چھت سے ہی کھڑی ہو کر کبوتروں کو دیکھے جا رہی ہے۔ وہ مجھے اکیلی ہی نظر آئی تھی۔ دل نے کہا مہروز بیٹا موقع اچھا ہے جو بولنا ہے جلدی سے بول دو میں نے ہمت کر کے اپنے دل کی بات ثانیہ کو بول دی:

"میں بچپن سے تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور تم ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ثانیہ نے مجھے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھا جیسے کہہ رہی ہو یہ منہ اور مسور کی دال۔ وہ بغیر کچھ بولے میری طرف دیکھ کر پھنکارتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ کبوتروں کے کھڈے کے پیچھے ثانیہ کا بھائی کھڑا تھا جس سے میں بے خبر تھا۔ وہ ثانیہ کے جانے کے بعد میرے سامنے آیا اُس نے بھی مجھے ایسے دیکھا جیسے بھوکا بھیڑیا بارہ سنگھے کو دیکھتا ہے۔ وہ بھی منہ میں بُڑبُڑ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اُس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ ثانیہ کے بھائی نے بھی اپنے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر خود بھی خاندان سے باہر لو میرج کی تھی۔ اُسے تو میری فیلنگ کا اندازہ ہونا چاہیے تھا، آخر ایک عاشق ہی دوسرے عاشق کا درد سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی اُسے مجھ پر شدید غصہ آیا۔ ثانیہ کا بھائی ٹھیک تھا اگر میں اُس کی جگہ ہوتا اور کوئی میری بہن سے اِس طرح اظہارِ محبت کرتا تو میں اُس عاشق کی بینڈ بجا دیتا۔ ہم خود محبت کریں تو وہ پاک اگر کوئی دوسرا کرے تو وہ پلیت ہماری محبت عاشقی اور دوسرے کی محبت عیاشی...... سوچنے والی بات ہے نا......؟

میرا اظہارِ محبت کوئی بہت زیادہ رومینٹک نہیں تھا لیکن اُس میں بھونڈا اور لچر پن بھی نہیں تھا ایک بیس سال کا

لڑکا جو زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی سے اظہارِ محبت کرتا ہے وہ ایسے ہی کرتا...... جیسے میں نے کیا تھا۔

☆......☆......☆

دسمبر کی چھٹیوں میں خالہ عطیہ اپنے بچوں کے ساتھ لاہور ایک شادی پر آئی تھیں، شادی کے بعد وہ دو دن کے لیے ہمارے گھر میں بھی ٹھہری۔ میں نے سوچا جولائی میں اظہارِ محبت کیا تھا اب دسمبر آ گیا ہے شائد ثانیہ کے دل میں میرے لیے محبت کے دیپ جل اُٹھے ہوں۔ اگلے دِن خالہ کی ریل سے ملتان واپسی تھی، میں بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا جولائی کی عزت افزائی کے باوجود میں اُن کے جانے سے پہلے پہلے ثانیہ سے اُس کا جواب سُننا چاہتا تھا۔ میں نے نبیل سے مشورہ کیا جو میرے نزدیک اُس وقت محبت کے کھیل کا آل راؤنڈر تھا۔

''تم ثانیہ کی تصویر اور گلاب کی کلی اُس کے سامنے رکھ دینا...... اگر اُس نے اپنی تصویر اُٹھالی تو اُسے تم سے محبت نہیں ہے...... اگر وہ اپنی تصویر چھوڑ گئی تو وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے۔'' نبیل نے مجھے مشورہ دیا تھا۔

''گلاب کی کلی کا تو تم نے بتایا ہی نہیں'' میں نے بھولی صورت بناتے ہوئے پوچھا نبیل نے کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور دانت پیستے ہوئے کہنے لگا:

''اللہ کرے وہ تیرے منہ پر ہی دے مارے گلاب کی کلی۔ تو سچ میں نالائق للو ہی ہے۔''

نبیل تو اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اُس کے پیر پر اپنا پیر مارا تھا۔ سامنے سے عالی ٹرے میں دودھ کے دو پیالے اُٹھائے سیڑھیوں سے چھت پر آئی تھی۔

میرے پاس ثانیہ کی ایک گروپ فوٹو تھی۔ میں نے گروپ میں سے باقی سب کو نکال دیا سوائے ثانیہ کے۔

☆......☆......☆

نانی آمنہ بی بی بھی جنتی روح تھیں۔ نانا کے انتقال کے بعد وہ خاندان کی بڑی تھیں، اکثر خاندانی فیصلے نانی ہی کرتی تھیں۔ نانی کی تینوں بیٹیاں اُنھیں ماں جی اور باقی سارے رشتے دار بی جی کہہ کر مخاطب کرتے۔ نانی ابو جی کی سگی خالہ ہونے کے ساتھ ساتھ سگی چچی بھی تھیں۔ میرے دادا اور میرے نانا دونوں سگے بھائی تھے۔ نانا فوج سے صوبیدار ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی نانا نے اپنی زندگی میں ہی کر دی تھی۔ خالو طلعت تھانیدار تھے تو خالو رشید وکیل دونوں کا اینٹ پتھر کا بیر تھا۔ جب امی اور ابو کی شادی ہوئی تو دادا کی اعظم

مارکیٹ میں کپڑے کی بہت بڑی دکان تھی اور ہمارے حالات بھی خاندان میں سب سے بہتر تھے۔ ابّو نے اُس زمانے میں ایک لڑکے کو جھگڑے میں گولی ماردی تھی پھر کیا تھا آدھی کمائی تھانیدار کھا گئے اور باقی آدھی وکیل۔ خالو طلعت خالو رشید کی بات نہیں کر رہا یہ صاحبان اور تھے۔

دادا صدمے سے چل بسے کپڑے کی دکان نلکیوں اور بٹنوں کی دکان میں بدل گئی۔ ہمارے گھر کا بٹوارہ ہو گیا۔ تایا ساجد اور پھوپھو اِس سب کا قصوروار ہمیشہ ابّو کو ہی ٹھہراتے تھے۔ اُن کی بات ایک حد تک ٹھیک بھی تھی۔ گھر سیل ہو گیا ہم لوگ کرائے پر آ گئے تایا کو اُن کے سالے نے سعودیہ بُلا لیا دیکھتے ہی دیکھتے تایا ساجد ترقی کرنے لگے اور اُن کے گھر کے حالات بہتر ہو گئے۔ تایا نے سعودیہ کی کمائی سے دو گھر بنائے، ایک بہت اچھی حالت کا تھا اور دوسرا گھر کے نام پر دھوکہ وہ دھوکہ تایا نے ہمیں رہنے کے لیے کرائے پر دے دیا۔ ابّو اِس بات پر بھی تایا جی کے مشکور تھے اور امّی اُن سے بھی زیادہ۔ تایا جی کے 4 بچے تھے دو بیٹیاں اور دو بیٹے بڑی بیٹی کی شادی انہوں نے کر دی تھی، اپنی سالی کے بیٹے سے اور عارفہ کی منگنی بھی اُسی گھر میں ہو چکی تھی۔ عارفہ سے میری خوب بنتی تھی حالانکہ وہ مجھ سے کوئی سال بھر بڑی ہی تھی۔

☆......☆......☆

امّی تخت پوش پر بیٹھ کر سلائی کر رہی تھیں میں ٹیکنیکل کالج سے واپس لوٹا تو دیکھتا ہوں امّی کے پاس ہی مٹھائی کا ڈبہ پڑا ہے میں نے امّی کے پاس بیٹھتے ہی مٹھائی کے ڈبے سے دو گلاب جامن ایک چم چم اور ایک رس گلہ آناً فاناً ہی کھا لیا۔ ابھی میں نے برفی کی ایک ڈلی منہ میں ڈالی ہی تھی امّی نے بڑی خوشی سے مجھے بتایا:

’’ثانیہ کی منگنی ہو گئی ہے۔‘‘ یہ سُنتے ہی مجھے سانپ سونگھ گیا۔

’’چاچی جی!! اسلام علیکم‘‘ عالی چھت کے رستے ہمارے صحن میں آ کے امّی جی کے سامنے کھڑی تھی اُس کے ہاتھ میں ایک ڈونگا تھا۔ ہمارے گھر میں جب بھی کوئی نیوز بریک ہو رہی ہوتی یا ہونے والی ہوتی عالی نہ جانے کہاں سے آ ٹپکتی۔ اُس بات کی مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی عالی کو کیسے خبر مل جاتی تھی۔

’’تیرے ہاتھ میں کیا ہے عالی!!‘‘ امّی نے پوچھا۔

’’کھیر ہے چاچی جی!!‘‘ میں میٹھے کا بہت شوقین تھا مگر اُس وقت مجھے میٹھا بھی زہر معلوم ہو رہا تھا پہلے ہی وہ

برفی کی ڈلی میرے حلق میں ہڈی بن کر پھنس گئی تھی اوپر سے یہ خبر سنتے ہی میرا گریہ کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ میں جلدی سے کمرے میں چلا گیا تو سامنے نانی بیٹھی ہوئیں تھیں نانی نے جلدی سے اپنی بانہیں پھیلا دیں تھیں میں نانی کے سینے سے لگ کر بہت رویا تھا۔ نانی آج ہی ملتان سے لوٹی تھیں۔ مجھے چپ کروانے کے بعد نانی نے کہا:

''مہروز میرے ساتھ ٹاؤن شپ چلو میں نے ثانیہ کی منگنی کی مٹھائی تمہاری ماسی کو پہچانی ہے۔'' نانی کو مٹھائی کی فکر تھی اور مجھے یہ غم تھا اب تو ثانیہ ہو گئی پرائی۔



''بڑے دل والے ہو...... اپنی محبت کے لٹ جانے پر خود ہی مٹھائیاں بانٹ رہے ہو۔''

''محبت......'' مجھے بسما کی بات سُن کر کرنٹ سا لگا تھا۔ میں نے دل میں سوچا ابھی چند روز پہلے زندگی میں صرف ایک بار جیسے تیسے کر کے میں نے ثانیہ سے اپنی خاموش محبت کا اظہار کیا تھا۔ ثانیہ اور اُس کے بھائی کے علاوہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا اِسے کہاں سے خبر مل گئی۔

''کہاں کھو گئے ہو......؟'' بسما نے چٹکی بجاتے ہوئے میرے خیالوں کے سلسلے کو توڑا تھا۔

''تمھیں کس نے بتایا......؟''

''سب جانتے ہیں۔'' بسما نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے جواب دیا۔ میرے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔ میرا چہرہ فق ہو گیا، کوشش کے باوجود بھی میں اپنے ماتھے پر شکست کی شکنوں کو آنے سے نہ روک سکا۔ میری خاموش محبت بسما سے ڈھکی چھپی نہ رہی تھی۔

''مہروز دفعہ کرو ثانیہ کو اُسے تم سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ وہ تو اکثر تمہارا مذاق اُڑایا کرتی تھی اور مجھے اُس پر شدید غصہ آتا تھا۔'' میں نے ڈبڈباتی آنکھوں سے بسما کی طرف دیکھا۔ بسما کے رُخِ روشن پر جان لیوا مسکراہٹ تھی۔

''سچ کہہ رہی ہوں جناب!'' بسما کے عنابی ہونٹوں پر پھر مسکراہٹ بکھر گئی تھی مجھے اُس کے رویے سے یہ تاثر مل رہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نہ ہو۔

''ویسے ایک بات ہے...... عاشق تم اچھے ہو۔ تمھیں ثانیہ کے علاوہ کبھی کوئی نظر ہی نہیں آیا۔''

’’کون......؟ کس کی بات کر رہی ہو۔‘‘ جیسے ہی میں نے کھردرے لہجے میں یہ پوچھا تھا، بسما کی موسیقیت سے بھرپور آواز آنا بند ہوگئی وہ کچھ سہم سی گئی وہ جو چند لمحے پہلے بڑے اعتماد سے میرے ساتھ تڑاخ پڑاخ باتیں کر رہی تھی اُسے یک لخت کوئی سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے چھت پر بنے ہوئے اکلوتے کمرے کے اندر چلی گئی اور وہاں کھڑی ہو کر تانک جھانک کرنے لگی۔ میں شش و پنج میں مبتلا تھا یہ کیا ماجرہ ہے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر بسما کی طرف بڑھا وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی جیسے ہی میں کمرے میں اُس کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اُس نے فٹ سے نظریں جھکالیں اُس کے سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں اور اُن سے سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ میں اُس کی پریشانی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا اُسے اعتماد دینے کے لیے میں نے اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھنے کے لیے جیسے ہی اُٹھایا وہ ترنت بھرنت دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

’’میں بچپن ہی سے تمھاری ہوں......‘‘ بسما نے چشم الفت سے میری طرف دیکھ کر کہا میں ایک لمحے میں کزن سے محبوب بن گیا نانی کے الفاظ میرے کانوں میں گونجے:

’’میں نے تمھارے لیے ایک بہت ہی پیاری لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے۔‘‘

نانی کی آواز کے پیچھے پیچھے ہی ایک آواز میرے کانوں میں پڑی:

’’محبت کرتی ہوں تم سے، اپنے دل کو قابو میں رکھنا یہ میرے بس میں نہ تھا، مگر پھر بھی میں خود کو بے بس نہیں سمجھتی۔ تم ہماری شادی سے پہلے مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔‘‘ بسما نے اقرار محبت کے ساتھ ساتھ اپنے اختیارات بتاتے ہوئے مجھے خود سے دور رہنے کا فرمان بھی جاری کیا تھا۔ یہ سنتے ہی میرا دل عش عش کر اُٹھا۔ وہ جو کہیں ملتان کی گلی میں نکڑ کے ساتھ بیٹھا ہوا گریہ کر رہا تھا وہ کھسکتا کھسکتا ٹاؤن شپ آ گیا تھا۔ اب ملتان کی جگہ ٹاؤن شپ میرے لیے مقدس تھا۔

’’تم یہاں سے جاؤ کوئی آ جائے گا۔‘‘ بسما نے بڑی نزاکت کے ساتھ اگلا حکم دیا تھا۔

’’کیوں جاؤں......میرے دل میں کوئی چور نہیں ہے۔‘‘ میں اُلجھن سے بولا تھا۔

’’پلیز میری خاطر......کسی نے ہم دونوں کو کمرے میں ایک ساتھ دیکھ لیا تو میں بدنام ہو جاؤں گی۔‘‘

بسما کے آواز میں سچائی تھی۔ میں نے نظر بھر کر اُسے دیکھا وہ واقعی کسی اپسرا سے کم نہ تھی۔ میں کمرے سے

نکلنے لگا تو بسما کے ایک جملے نے میرے قدم روک لیے تھے۔

''میں نے بڑی دعائیں مانگی تھیں کہ تمھاری ثانیہ سے شادی نہ ہو۔'' میں نے پلٹ کر بسما کو دیکھا جس کے چہرے پر اعتماد تھا۔

''اگر تم سے میری شادی نہ ہوئی تو میں مرجاؤں گی۔'' میرا چہرہ کھل گیا۔ دل کے زخموں پر محبت کا مرہم ایسے لگا جس سے کوئی نشان باقی نہ بچا۔



اُس دَور میں موبائل عام نہیں تھا البتہ PTCL کے نمبر کا سہارا ضرور تھا۔ جو بسما کے گھر میں پہلے سے موجود تھا۔ مجھے یہ سہولت بھی میسر نہیں تھی۔ تایا جی اور نبیل کے گھر پر ٹیلی فون تو تھا مگر لکڑی کے باکس میں بند، جس پر ایک تالہ ہمیشہ پڑا رہتا تھا۔ نبیل کے گھر جو ٹیلی فون تھا اُس فون کی چابی نبیل کے ابو کے کھیسے میں۔ تایا کے گھر جو فون تھا اُس کی چابی تائی کے پراندے کے ساتھ بندھی ہوتی تھی۔ وہاں سے فون کرنا ایسے ہی تھا جیسے کہ بھوکے شیر کے منہ سے گوشت نکال کر لانا ہو اِس لیے مجبوراً PCO ہی سے کال کرنی پڑتی۔ PCO والے بھی بڑے ظالم تھے عاشقوں سے تو ڈبل پیسے لیتے تھے۔ ایک تو کان لگا کر عاشقوں کی باتیں سُنتے اور دھیما دھیما مسکراتے رہتے۔ پیسوں کی بات آتی تو فوراً ہی آنکھیں ماتھے پے سجا لیتے۔ PCO سے بسما کو فون کر کر کے میرا بال بال قرضے میں ڈوب گیا تھا۔ نبیل اور عارفہ سے کئی ہزار روپے میں قرض لے چکا تھا۔ اُن دونوں سے اُدھار لیتا اور سیدھا PCO کی راہ پکڑتا پہلے ماسی فون اُٹھاتی میں کوئی جواب نہ دیتا ماسی جانتے بوجھتے ہوئے بھی گُنگی بن جاتیں اور زور سے رونگ نمبر کا نعرہ لگا دیتیں۔ یہ بسما کے لیے سگنل ہوتا تھا، ماسی کے گھر میں بہو بھی تھی جس سے ماسی محتاط رہتی تھیں۔ ماسی اور نانی کو میری اور بسما کی پروان چڑھتی ہوئی محبت کی پوری خبر تھی۔ ماسی بھی چاہتی تھیں کہ میرا اور بسما کا رشتہ ہو جائے۔ میں بسما کو دیکھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا پھر بھی آنکھوں کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ کئی بار تو میں گوالمنڈی سے سائیکل پر سویرے ہی سویرے ٹاؤن شپ کالج روڈ پر واقع بسما کے کالج کے باہر بھی اُس سے ملنے کے لیے گیا ملاقات تو نہ ہو سکی صرف اُسے دیکھ ہی سکا۔ بسما کے تایا کی بیٹی سندس اور اُس کے محلے کی دو لڑکیاں اُس کے ساتھ پڑھتی تھیں جو سب مجھے اچھی طرح سے جانتی

تھیں۔ چھ آنکھوں سے بچتے بچاتے میں اور بسما صرف آنکھیں چار ہی کر سکتے تھے۔ وہ جیسے ہی ہو جاتیں میں اپنی سائیکل پکڑتا اور ریلوے روڈ پر واقع اپنے ٹیکنیکل کالج کی طرف گولی کی رفتار سے لوٹتا تھا۔ بسما سے آنکھیں چار کرنے کے چکر میں میری تعلیم رفو چکر ہو رہی تھی اکثر مجھے لیٹ ہونے کی وجہ سے کلاس میں داخلے سے روک دیا جاتا تھا۔ اللہ بھلا کرے بسما کے تایا کی بیٹی سندس کا جس نے میری تعلیم کا حرج نہیں ہونے دیا اور یہ بات جا کے ماسی آسیہ کے کان میں ڈال دی: اگلے دن جیسے ہی میں نے ماسی کے گھر فون کیا ماسی نے کال ریسیو کی:

''ہیلو......'' ماسی کی آواز سن کر بھی میں خاموش ہی رہا ماسی کی دوسری طرف سے سرگوشی کے انداز میں دوبارہ آواز آئی:

''مہروز بیٹا تم بسما کے کالج مت آیا کرو......'' ماسی نے صرف اتنا ہی کہا اور فٹ سے فون بند کر دیا ماسی کی بات میرے لیے حکم سے بڑھ کر تھی، کیوں نہ ہوتی ایک تو وہ ماں ہی تھیں اور دوسری بسما کی ماں...... میں نے بسما کے کالج جانا بند کر دیا۔ پھر ایک دن ماسی نے فون پر دوسرا فرمان بھی سُنا دیا کہ آئندہ صرف تم اتوار والے دن صبح 9 سے 12 کے درمیان ہی بسما کو کال کر سکتے ہو۔ میں نے دل پہ پتھر رکھ کے ماسی کا یہ حکم بھی مان لیا تھا۔

بسما سے ملاقات کے لیے نہ جانے مجھے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے کسی کی شادی کا کارڈ، کوئی سامان کسی کو ٹاؤن شپ لے جانا ہو مہروز صاحب 24/7 ہر وقت میسر تھے۔

☆......☆......☆

ٹاؤن شپ سے واپسی پر رات نانی میرے کمرے میں آئیں وہ میرے زخموں پر مرہم لگانا چاہتی تھیں۔ اب نانی کو کوئی بتائے زخم تو پہلے ہی ایک اپسرا نے بھر دیے ہیں۔

''مہروز بیٹا!! میں نے تمھاری خالہ کو بہت سمجھایا تھا کہ مہروز بڑا اچھا لڑکا ہے وہ بھی کیا کرتی طلعت اور ثانیہ کو وہ لڑکا بہت پسند تھا۔'' نانی کی یہ بات سُن کر مجھے 240 وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

''ثانیہ کو......؟''

''ہاں...... طلعت کے کزن کا بیٹا ہے...... پراپرٹی ڈیلر ہے...... ثانیہ اُسے پسند بھی کرتی تھی...... ثانیہ کو کچھ کہنا ہی نہیں پڑا...... طلعت نے ثانیہ سے پوچھا اُس نے فوراً ہی اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔''

”کسی کو محبت بن مانگے ہی مل جاتی ہے اور کوئی مانگ کر بھی خالی ہاتھ ہی رہتا ہے۔“ میں نے بڑے دُکھی انداز میں نانی سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

اُس دن ثانیہ کی طبیعت خراب تھی امی ابو کے ساتھ ثانیہ کے گھر والے ماسی آسیہ کی طرف دعوت پر گئے ہوئے تھے، گھر پر میں میری دو چھوٹی بہنیں اور ثانیہ ہی تھے۔ اگلے دن اُن لوگوں کی ملتان واپسی تھی اِس لیے میں ہر حال میں ثانیہ سے بات کرنا چاہتا تھا مگر میری بہنیں سائے کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ میں مایوس ہو کر چھت پر چلا گیا میں اپنی سوچوں میں گم بیٹھا ہوا تھا۔

”مہروز......“ میں نے پلٹ کر دیکھا عالی کچھ سہمی کچھ ڈری سی کھڑی تھی میں نے اُس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا ایک ہاتھ خالی تھا اور دوسرا کمر کے پیچھے تھا، عالی جب جب بھی میرے سامنے آئی ہمیشہ ہی اُس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کھانے پینے کی چیز ہوتی تھی اُس دن وہ خالی ہاتھ تھی۔

”کیا ہے......“ میں نے بے زاری سے پوچھا وہ خاموش ہی رہی اُس کے چہرے پر مجھے کچھ تناؤ سا نظر آیا جیسے تکلیف میں ہو۔

”پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔“ عالی نے میری طرف حیرت سے دیکھا، کہا کچھ نہیں پھر اُس نے گردن جھکا لی اور وہاں سے جانے لگی جیسے ہی وہ مڑی میں نے اُس کے بائیں ہاتھ میں گلاب کی کلی دیکھی۔

”رُکو......“ وہ تھم گئی مجھے نبیل کی بات یاد آ گئی، میں نے چند لمحے سوچا پھر عالی کے ہاتھ سے وہ گلاب کی کلی خود ہی تھام لی عالی نے احتجاجی نظروں سے میری طرف دیکھا، میں اپنی ہی دھن میں مگن ہو کر بولا:

”پلیز میرا ایک کام کر دو عالی!“

”کام بتاؤ......“ عالی نے دبی سی آواز کے ساتھ پوچھا۔

”مجھے ثانیہ سے بات کرنی ہے تم سدرہ اور سعدیہ کو اپنے گھر لے جاؤ۔“ عالی یہ سُن کر تڑپ اُٹھی اُس کے رُخسار پر اُلجھنوں کا بسیرا تھا۔ میرا دل مناجات کر رہا تھا کہ عالی کسی طرح مان جائے عالی کے گلے کی رگیں تن گئیں وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر اُس نے ارادہ بدل لیا اور صرف یہ کہا:

''ٹھیک ہے جی'' اُس کی آواز میں خرخراہٹ آ گئی تھی وہ پلٹی اور ہمارے گھر کی سیڑھیاں اُتر گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سدرہ اور سعدیہ کے ساتھ چھت پر آئی اور اپنے گھر کی سیڑھیاں اُترنے لگی وہ مڑی اپنے دائیں ہاتھ کے پنجے کو دو مرتبہ کھولا اور بند کیا اور منہ میں منٹ کہا۔ میں سمجھ گیا کہ 10 منٹ ہیں میرے پاس میں جلدی سے نیچے کی طرف بھاگا تھا۔

☆......☆......☆

میں عالی سے چھینی ہوئی گلاب کی کلی تھام کر اپنے کمرے میں پہنچا جہاں پر ثانیہ میرے ہی پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی مجھے اُس پر غصہ آنے کی بجائے پیار آ گیا، میرے گھر والوں میں سے کسی کو بھی میرے کمرے میں سونے کی اجازت نہ تھی۔ ثانیہ نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو وہ غصے میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''گرمیوں کی چھٹیوں میں تم نے کیا بکواس کی تھی...... تم جانتے نہیں ہو سجاول بھائی کو وہ تمھیں جان سے مار دیتے...... اگر تم ہمارے کزن نہ ہوتے......'' گرمی کے مہینے کا غصہ دسمبر میں بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

''کیوں......؟'' میں نے ثانیہ کی بات کاٹتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا تھا چند لمحے تو ثانیہ مجھے دیکھتی رہی پھر سختی سے کہنے لگی:

''جو تم نے مجھے تب کہا تھا......''

''سجاول کی لو میرج بغیر کچھ کہے ہی ہو گئی تھی کیا...... محبت ہو تو اظہار ہو ہی جاتا ہے...... ثانیہ جب سے ہوش سنبھالا ہے صرف تمھیں سوچا، تمھیں چاہا اور تمھیں ہی دیکھا ہے آنکھیں بند ہوں یا کھلی...... میں بتا نہیں سکتا مجھے تم سے کتنی محبت ہے......''

''تو مت بتاؤ میں نے کون سا پوچھا ہے...... کان کھول کر سُن لو مجھے تم سے محبت نہیں ہے......'' ثانیہ نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں نہیں ہے محبت......؟''

''ایسا کیا خاص ہے تم میں......؟'' ثانیہ نے مجھے اپنے باپ کی آنکھ سے دیکھا اُس نے اپنے انداز سے ثابت کیا کہ وہ ایک تھانیدار ہی کی بیٹی ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''میری تصویر کیوں البم سے چوری کی تھی......؟'' ثانیہ نے ایسے کہا جیسے چوری کا طعنہ دے رہی ہو۔ میں نے ثانیہ کی تصویر اپنی جیب میں رکھی ہوئی تھی میں نے اُسے نکالا اور چلتا ہوا ثانیہ کے قریب چلا گیا وہ تصویر اُس کے سامنے رکھ دی اور اُس کے اوپر گلاب کی کلی اور خود جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔ کمرے کی چوکھٹ کے باہر عالی کھڑی تھی میں اُسے دیکھے بغیر جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

میں چھت پر افسردہ سا بیٹھا ہوا تھا میری نظریں نیچے سے اوپر آتی ہوئی سیڑھیوں پر جمی ہوئی تھیں، کوئی آدھے پونے گھنٹے بعد عالی ہونٹوں پر تبسم سجائے اوپر آئی اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹا ہوا ایک کاغذ تھا اور بائیں ہاتھ میں وہی گلاب کی کلی جو میں نے اُس سے چھین کر ثانیہ کو پیش کی تھی۔

''تم یہ کیوں لے آئی ہو......'' میں نے تڑپ کر پوچھا۔

''کیا جی......؟'' عالی نے اطمینان سے کہا۔

''یہ گلاب کی کلی......''

''دروازے کی چوکھٹ پر پڑی تھی'' عالی نے اُس کلی کو سونگھتے ہوئے بتایا اور اپنے گھر کی سیڑھیاں اُترنے لگی۔

''سدرہ، سعدیہ کہاں ہیں۔''

''دل تو پاگل ہے'' عالی نے جواب دیا۔ میں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی:

''دل تو پاگل ہے...... فلم دیکھ رہی ہیں۔''

''تم نے انہیں فلم کیوں لگا کے دی......؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''آپ نے ثانیہ سے بات کرنی تھی...... کیسے روکتی اُن دونوں کو اپنے گھر پر......؟''

''خود اُن کے پاس بیٹھ جاتی۔'' عالی نے مجھے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور نیچے چلی گئی۔

☆......☆......☆

نانی مسلسل بیمار تھیں میں اُن کا پتہ کرنے ہاسپٹل پہنچا، نانی سوئی ہوئی تھیں۔ ماسی نے مجھے دیکھا تو کہنے لگی:

''مہروز بیٹا!! تم ماں جی کے پاس بیٹھو میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔'' ماسی نماز پڑھنے چلی گئی چند منٹ بعد ایک نرس نے مجھے آ کر مخاطب کیا:

''باجی کدھر گئی ہیں۔''

''ماسی تو نماز پڑھنے گئی ہیں۔''

''اچھا ایسا کریں یہ دوا انجیکشن ہیں۔ اِس وقت یہ ہمارے اسٹاک میں **Available** نہیں ہیں اور یہ لگانے بھی ابھی ہیں آپ یہ باہر سے لے آئیں۔'' نرس نے میرے ہاتھ میں ایک پرچی تھما دی۔ میں نے پریشانی سے نرس کی طرف دیکھا۔

''آپ انجیکشن لے آئیں میں اِدھر ہی ہوں...... فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے فارمیسی سے وہ دونوں انجیکشن لیے بل پوچھا تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے عمر رسیدہ شخص نے اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتے ہوئے بتایا:

''230 روپے۔'' میں نے اپنی جیب سے 230 روپے نکال کر اُسے تھما دیئے اور بھاگتا ہوا وارڈ کی طرف لوٹا۔ میرے کوٹ کی جیب میں پڑے ہوئے تین سکے اوچھل اوچھل کر ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ جس طرح خالی برتن میں پانی چھلکتا ہے اِسی طرح خالی جیب میں سکے بھی اُچھلتے ہیں بھلے ہی وہ جیب امپورٹڈ کوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ واپس لوٹا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ CMH میں لواحقین 2 سے چار اپنے مریضوں کی عیادت کر سکتے ہیں۔ نانی بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں بسما نانی کو یخنی پلا رہی تھی اور اُس کی کزن اور سہیلی منہ میں سٹرا لگائے شیزان کے جوس کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ بسما کو دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ بسما نے بھی مسکراتے ہوئے ایک نظر مجھے دیکھا تھا۔ میں چلتا چلتا اُن کے پاس پہنچا۔ بسما نے نانی کا منہ صاف کیا اور یخنی والا ٹفن کا ڈبہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

''مہروز بھائی!! اسلام علیکم......'' بسما کی سہیلی ندا نے کہا تھا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی البتہ بسما کی کزن سندس کے تیور کوئی اتنے اچھے نہ تھے۔ نرس مجھے دیکھتے ہی جلدی سے میرے پاس آ گئی۔

”لے آئے آپ انجیکشن۔“میں نے جواب نہیں دیا اور وہ پیکٹ ہی اُس کے سامنے کر دیا اُس نے غور سے انجیکشن دیکھے پھر اُنہیں نانی کی ڈرِپ میں سرنج کی مدد سے ڈال دیا اتنے میں ماسی بھی واپس آ گئی تھیں۔

”آپ کے انجیکشن ابھی تک آئے نہیں۔“ماسی نے روکھے لہجے کے ساتھ نرس سے پوچھا تھا۔

”آئے ہوتے تو منگواتی کیوں......باجی......؟......باجی رش تو کم کروائیں......“نرس نے منہ بناتے ہوئے ماسی سے کہا تھا۔

”بسما!! سندس کو میرے پاس رہنے دو تم تینوں باہر لان میں جا کے بیٹھو!!“

”چاچی میں بھی اِن کے ساتھ جاؤں گی۔“سندس نے یک لخت جواب دیا تھا۔

”ٹھیک ہے تم بھی جاؤ۔“سب سے پہلے سندس ہی باہر کی طرف لپکی اُس کے پیچھے ندا پھر بسما اور سب سے پیچھے میں تھا۔

”مہروز بات سنو......“ماسی کی آواز پر میں رُک گیا ماسی نے پرس سے سو سو کے چند نوٹ نکالے اور میری طرف چل پڑیں ماسی سے پہلے سندس میرے پیچھے کھڑی تھی۔

”مہروز یہ پیسے رکھ لو۔“

”یہ کیوں دے رہی ہیں آپ......؟“میں نے فوراً پوچھا تھا۔

”ڈھائی سو کے تو انجیکشن ہی آئے ہوں گے۔“

”چاچی رہنے دو اِس کی بھی تو نانی لگتی ہے۔“سندس نے تبصرہ کیا تھا۔

”مہروز کون سا ابھی کماتا ہے......؟“

”مہروز نہیں کماتا اِس کے ابو تو کماتے ہیں......اُس دن سے سارا خرچا میرے چاچو جی کا ہو رہا ہے۔“سندس نے نیا پنڈورا بوکس کھول دیا تھا۔ماسی کے چہرے کے خدوخال بدل گئے تھے۔اِس سے پہلے کہ وہ سندس کو کچھ کہتی بسما جلدی سے نانی کے بیڈ کے پاس گئی اور نانی کا پرس اُٹھا لائی اور سندس کو دکھاتے ہوئے بولی:

”نانی ایک صوبیدار کی بیوہ ہیں اُن کا علاج مفت ہو رہا ہے اگر کچھ تھوڑا بہت خرچا ہوا بھی ہے تو وہ نانی نے خود ہی کیا ہے۔نانی ہم پر بوجھ نہیں ہیں......نہ ہی اپنی دوسری بیٹیوں پر اور نہ ہی اپنے دامادوں پر......“

''باجی بچوں سے کہیں نا...... حساب کتاب باہر جا کر کرلیں...... ہماری نوکری کا مسئلہ ہے۔'' ایک سینئر نرس نے بڑی عاجزی سے کہا تھا۔ ماسی نے بسما کو آنکھ کا اشارہ کیا بسما اپنا غصہ پی گئی تھی اور سب کو باہر لے کر چلی گئی۔ باہر ہم چاروں ہی اُلوؤں کی طرح دن میں ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

''بہت بھوک لگی ہے......'' سندس نے خاموشی توڑی تھی۔

''مجھے بھی......'' ندا نے اپنا پیٹ پکڑ کر کہا تھا۔ بسما نے ندا کو گھوری ڈالی۔

''اُسے کیوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے ایک جوس پینے سے پیٹ تھوڑی بھرتا ہے۔'' اِس سے پہلے کہ بسما کچھ کہتی سندس نے سارے حالات واقعات خود ہی بیان کر دیئے تھے۔

''ٹھیک ہے گھر جا کے ہی کچھ کھالیں گے۔'' ندا نے بسما کی خاطر اپنی بھوک ہی مار لی تھی۔ میں نے چپکے سے بسما کی طرف دیکھا...... جو پہلے ہی چوری چوری میری طرف دیکھ رہی تھی۔ سندس کی نگاہیں ہیر رانجھا والے کیدو کی طرح ہماری نگرانی کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

کیدو سے یاد آیا میں میٹرک میں پڑھتا تھا۔ ہمارے ہیڈ ماسٹر یوسف صاحب بڑے ہی بھلے آدمی تھے۔ وہ میٹرک کے طالب علموں کو ہر سال بورڈ ایگزام شروع ہونے سے پہلے رات کو اسکول کی بلڈنگ میں مفت پڑھایا کرتے تھے۔ ہمارے میٹرک کے ایگزام کو ایک ہفتہ رہتا تھا فروری کی ایک سرد رات تھی۔ ریاضی پڑھانے کے بعد چھٹی سے پہلے ماسٹر صاحب نے ہمیں خود کے لکھے ہوئے پنجابی کے چند اشعار سنائے جن میں ہیر رانجھا کا تذکرہ بھی تھا۔ شعر سنانے کے بعد سر نے ایسے ہی پوچھ لیا آپ لوگوں کا کیدو کے بارے میں کیا خیال ہے۔ سر اپنی چھڑی سے ہر لڑکے کی طرف اشارہ کرتے وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک جملے میں کیدو کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتا اور پھر بیٹھ جاتا:

''کیدو بڑا بے غیرت تھا جی۔''

''سر جی!! وہ بھنگ بھی پیتا تھا۔''

''محبت کرنے والوں کا دشمن تھا سر جی!!''

''اُس کا چال چلن ٹھیک نہیں تھا اِسی لیے تو اُس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔''

سر سمیت سب لڑکے ہنس پڑے کوئی لڑکا بھی کیدو کو اچھے کریکٹر کا سرٹیفکیٹ دینے کو تیار نہ تھا۔

''ایسے لنگڑے بھنگی کو کون اپنی لڑکی دیتا......؟''

''جو کچھ اُس نے کیا۔ میں تو اُس کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دیتا۔'' ایک لڑکا جارحانہ انداز میں بولا تھا۔ شکر ہے وہاں کیدو نہیں تھا اُس کا غصہ دیکھ کر لگتا تھا اگر کیدو اُس وقت وہاں ہوتا تو میرا کلاس فیلو یہ کر بھی گزرتا۔

''محبت کرنے والوں کا قاتل تھا۔''

''سیدھی سی بات ہے سر جی!! وہ سیڈیا (ولن) تھا۔'' میرے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا۔ سر نے اپنی چھڑی میری طرف تان دی جیسے دونالی شکار پر تانی جاتی ہے۔ میں کھڑا ہو گیا سر نے مجھے آنکھوں سے بولنے کا اشارہ کیا۔

''سر جی!! میرے نزدیک کیدو ایک غیرت مند شخص تھا۔'' کلاس کے تمام لڑکوں نے گردن موڑ کر مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا کچھ کی آنکھوں میں خون بھی اُتر آیا تھا جیسے یہ اُن کی غیرت کا معاملہ ہو۔ میں نے گھبرا کر سر جی کی طرف دیکھا جو مجھے سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔ سر نے مجھے مخاطب کر کے پوچھا:

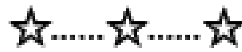
''بس یا اور بھی کچھ کہنا چاہتے ہو۔''

''نہیں سر جی میں تو بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے سینہ چوڑا کر کے جواب دیا سر نے پھر سے اپنی آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میں بولوں۔

''ہیر کیدو کے گھر کی عزت تھی کوئی بھی غیرت مند آدمی کیسے برداشت کر سکتا ہے ایک کاما (نوکر) مالکوں کی بیٹی سے رنگ رلیاں مناتا پھرے۔ ہم میں سے اگر کوئی بھی کیدو کی جگہ ہوتا تو وہ وہی کرتا جو کیدو صاحب نے کیا۔ کیدو محبت کا دشمن نہیں......غیرت کی علامت ہے۔''

میرے بازو پر زور کی ضرب لگی تھی میں نے نیچے جھک کر دیکھا تو سر جی کی چھڑی میرے آگے پڑی ہوئی تھی۔ میں نے نظریں اُٹھائیں ہی تھیں ہیڈ ماسٹر یوسف صاحب آنکھوں میں انگارے لیے میرے سامنے کھڑے تھے انہوں نے ایک زوردار طمانچہ میرے گال پر رکھتے ہوئے کہا:

"وڈا کیدو وا حمایتی۔"



"کوئی اِس وقت مجھے زہر لا دے تو میں وہ بھی کھالوں۔" سندس نے اپنی بھوک کی شدت کی آخری حد بھی بیان کردی تھی۔

"بسما میں کینٹین سے کچھ لے کر آتی ہوں۔" ندا کو یہ حل ہی سوجھا تھا سندس کا منہ بند کروانے کے لیے۔ بسما نے بھی خاموشی سے اپنی رضامندی دے دی تھی۔

"مجھے نہیں کھانا کینٹین سے کچھ بھی، کتنے کتنے دنوں کا باسی ہوتا ہے......" سندس کسی ضدی بچے کی طرح بولی تھی۔

"مہروز بھائی!! آپ کے ہوتے ہوئے ندا کچھ لاتے ہوئے اچھی لگے گی......کیا؟" وہ سندس کا طنز تھا یا سوال اُس وقت مجھے کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

"آخر کیا چاہتی ہو تم......" ندا نے بے زاری سے پوچھا۔

"پاس ہی راحت بیکری ہے وہاں چلتے ہیں ناوہاں سے کچھ کھا کر آتے ہیں۔" سندس نے دل کے ارادے ظاہر کردیے۔

"تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ نانی اندر بیمار پڑی ہیں۔ ہم اُن کی تیمارداری کے لیے آئے ہیں اور تمھیں سیر سپاٹے سوجھ رہے ہیں۔" بسما کا دودھ کی طرح سفید مکھڑا اُس وقت ٹماٹر کی طرح لال ہوگیا تھا۔ میں نے زندگی میں صرف ایک بار ہی بسما کو غصے میں دیکھا ہے اور وہ اُس دن دیکھا تھا۔

"راحت بیکری سے تم نے جو کھانا ہے وہ بتا دو وہ یہیں منگوا لیتے ہیں۔" ندا نے جلدی سے اپنی تجویز پیش کی تھی جو کہ بسما کو بالکل بھی پسند نہ آئی بسما نے تیکھی نگاہ ندا پر ڈالی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے۔" سندس نے چٹکی بجاتے ہوئے اپنی رضامندی ظاہر کردی ساتھ ہی ساتھ جو کھانا تھا وہ بھی بول دیا:

"میں تو برگر کھاؤں گی۔"

''میں بھی۔'' ندا نے بھی سندس کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی۔ بسما نے میری طرف دیکھا سوالیہ نظروں سے ، میں آج تک اُس کا وہ دیکھنا میں نہیں بھول سکا ، جس میں سوال، معذرت، مجبوری، اور سب سے بڑھ کر محبت بھی تھی۔

''تم کیا کھاؤ گی......؟'' میں نے بھی الفت ہی سے پوچھا تھا۔

''جو تم کھلاؤ گے۔'' بسما نے بولنے میں کنجوسی سے کام لیا تھا مگر اُس کی نظریں اُس دن سخی تھیں انہوں نے جی بھر کر مجھے دیکھا میں تو وہ کام بھی نہ کر سکا۔ میں تو سندس ہی سے ڈرتا رہا۔ مگر بسما کا ڈر ختم ہو چکا تھا۔ نبیل کے بقول میں تو محبت میں بھی نالائق للّو ہی تھا۔

''چلو چلو پیسے نکالو۔'' سندس کی آواز نے بسما کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

ندا نے اپنے پرس میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ بسما نے فٹ سے پوچھ لیا:

''پیسے کیوں......؟'' سندس نے حیرانی سے بسما کی طرف دیکھا۔

''مہروز بھائی کون سا ابھی کماتے ہیں۔'' سندس نے رُک رُک کر ایک ایک لفظ پر زور دیکر کہا۔

''کماتے نہ بھی ہوں۔ تمھیں بر گر تو کھلا ہی سکتے ہیں۔'' بسما نے بڑے مان کے ساتھ سندس کو جواب دیا۔ میں نے بسما کی آنکھوں میں دیکھا جن میں بہت ساری تحریریں تھیں وہ آنکھوں ہی سے بہت کچھ بول گئی تھی۔

☆......☆......☆

میں مہروز ماجد آج ایک کامیاب بزنس مین ہوں مگر سالوں پہلے ایسا نہیں تھا۔ میری بائیس سال کی عمر میں انتہائی سادگی کے ساتھ شادی ہوئی تھی تب میرا نیا نیا ہی کالج ختم ہوا تھا۔ دو چھوٹی بہنیں ہیں جن کی شادیاں ہو چکی ہیں اور وہ دونوں اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ ابّو کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا۔ امّی میرے ساتھ رہتی ہیں۔ پہلے ہم گوالمنڈی کے چھوٹے سے گھر میں پانچ افراد رہتے تھے اور آج ڈیفنس کے بڑے سے بنگلے میں بھی پانچ افراد ہی رہتے ہیں۔ امی، میں میری بیوی اور میرے دو جڑواں بیٹے جودان اور ریحان، جودان کا بزنس کی طرف رجحان تھا وہ حفیظ سینٹر میں ہمارا کاروبار دیکھتا ہے اور ریحان پڑھنے میں لائق ہے اِسلیے وہ یونیورسٹی میں پڑھتا

ہے۔میں پڑھ پڑھ کر تھک گیا تھا میں نے اسٹڈی روم کی کھڑکی کھولی۔ریحان کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی میں اسٹڈی روم سے نکلا اور ریحان کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

میں نے ریحان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''آجائیں پاپا!!''میں کمرے میں داخل ہو گیا ریحان نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر میری طرف دیکھا تھا۔

''کس سے بات ہو رہی ہے۔''میں نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ملائکہ سے......''اُس نے لیپ ٹاپ میرے سامنے کرتے ہوئے بتایا۔

''کیسے ہیں انکل......؟''ملائکہ نے رات بارہ بجے کے بعد بھی گرم جوشی ہی دکھائی تھی۔ملائکہ اور ریحان یونیورسٹی میں کلاس فیلو ہیں اور اُن دونوں کا گروپ بھی ایک ہی ہے۔اِس سے پہلے میں کچھ بولتا ملائکہ نے اگلا سوال پوچھ لیا:

''انکل آپ سوئے نہیں ابھی تک''

''میں اپنے اسٹڈی روم میں تھا۔''

''آپ کی Story ابھی تک Complete نہیں ہوئی؟''ملائکہ نے حیرت سے پوچھا۔

''پروف ریڈنگ کر رہا ہوں۔''

اِس سے پہلے کہ ملائکہ آج پھر سے میری کہانی کے بارے میں پوچھتی میں نے وہاں سے اُٹھنا ہی بہتر سمجھا۔میں ریحان کے کمرے سے نکل کر اپنے اسٹڈی روم میں آ گیا اور اپنی کہانی کا مسودہ لے کر پھر سے بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

''اگر تم سے میری شادی نہ ہوئی تو میں مر جاؤں گی۔''بستر پر لیٹے ہوئے ہی بسمہ یہ کہتے ہوئے مجھے نظر آئی تھی،میں اُٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر سے چھت پر چلا گیا ایک کونے میں ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر میں نے خود کلامی کی:

''بسما تم نے اتنا بڑا دھوکہ دیا ہے مجھے......''

میرے کندھے پر کسی کا نازک ہاتھ تھا میں نے بھی اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا پھر سرگوشی کے انداز میں میرے کان کے پاس کسی کے لب کھلے:

''میں آپ کو کبھی دھوکا نہیں دوں گی۔''

میں ڈر گیا میں نے پلٹ کر دیکھا تو عالی اپنے ہونٹوں کو میرے کان سے لگائے جھکی ہوئی تھی۔

''تم...... یہاں...... اِس وقت...... آدھی رات کو......'' میں چیخا تھا اُس نے جلدی سے اپنا نازک ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا اور آنکھوں سے خاموش رہنے کی التجا کی میں شانت ہو گیا تو اُس نے پھر سے میرے کان میں ایک جملہ بولا:

''میں بتا رہی ہوں میں آپ ہی سے شادی کروں گی۔'' یہ کہتے ہی وہ وہاں سے دبے پاؤں چل دی، اپنے گھر کی سیڑھیاں اُترنے سے پہلے اُس نے مڑ کر دیکھا سردی میں بھی میرے ماتھے پر پسینہ تھا۔

عالی کیا بول گئی ہے...... کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گئی...... میں نے تو ہمیشہ عالی کو اپنی بہنوں کی طرح ہی سمجھا تھا۔ میں اپنی محبت کا سوگ منا رہا تھا عالی نے اپنی محبت کا روگ بیان کر دیا۔ اب میں بسما کی بجائے عالی کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اُس رات کے بعد جب بھی عالی ہمارے لیے چھت پر دودھ لے کر آتی تو میں نظریں جھکائے رکھتا چند دن اِسی طرح سے گزر گئے۔ نانی بھی ٹاؤن شپ سے ہماری طرف آ گئی تھیں۔ اُس دن رات کو امّی ابو نے مجھے کوئی اہم بات کرنے کے لیے اپنے کمرے میں بلایا تھا، نانی بھی اُن کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ میں نانی سے بسما کے متعلق بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا، مگر نانی سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا اِس سے پہلے کہ میری نانی سے بات ہوتی ابو جی بول پڑے:

''میں تمہارا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے حیرانی سے سب کی طرف دیکھا امّی تو مسکرا رہی تھیں البتہ ابو کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''منہ میں زبان نہیں ہے کیا۔'' اِس بار ابو کے لہجے میں تلخی تھی۔

’’نکاح......میرے تو پیپر ہونے والے ہیں۔‘‘

’’نکاح پیپروں کے بعد ہی ہوگا۔‘‘ابوجی نے فیصلہ کن انداز میں بتایا تھا۔

’’مگر ابوجی میں تو بے روزگار ہوں۔‘‘میں نے اُن سے ایک بار بھی نہیں پوچھا تھا کہ لڑکی کون ہے۔

’’تم اپنا پاسپورٹ بنواؤ ساجد بھائی تمھیں سعودیہ لے جائیں گے۔‘‘

’’جی بہتر......‘‘میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

’’مہروز بیٹا!! لڑکی کا نہیں پوچھو گے۔‘‘نانی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔میں نے شکوئے کے انداز میں نانی کی طرف دیکھ کر گردن کو نفی میں ہلایا تھا۔

☆......☆......☆

میں اپنے بستر پر لیٹا ہی تھا نانی میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور بڑی محبت سے میرے سر میں اپنی انگلیوں کو پھیرنے لگیں میں نے خفگی کے ساتھ منہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

’’مجھ سے ناراض ہو۔‘‘نانی نے بڑی محبت سے پوچھا۔

’’کیا نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

’’بسما میری بیٹی نہیں ہے......میری بیٹی کی بیٹی ہے۔اُس کی زندگی کا فیصلہ کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔اجمل خوش قسمت نہیں ہے، جس نے بسما کو حاصل کرلیا۔بدقسمت تو بسما ہے جس نے تمھیں کھو دیا۔عارفہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے اور وہ تم سے محبت بھی بہت کرتی ہے۔‘‘

’’عارفہ کہاں سے آ گئی......؟‘‘میں نے ناک چڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’عارفہ ہی سے تو تمھارا نکاح ہو رہا ہے۔‘‘نانی نے مجھے بڑے اطمینان سے بتایا تھا میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ نانی سے پہلے پوچھوں یا گلہ کروں۔

’’آپ تو میری بسما سے شادی کروانا چاہتی تھیں۔عارفہ اور تنویر کی منگنی ٹوٹی اِس میں میرا کیا قصور ہے۔میرا اور عارفہ کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے......؟‘‘میں نے نا جانے کیا کیا ایک ہی بار نانی سے کہہ دیا۔

☆......☆......☆

میرے پیپرز ہو گئے تھے اور میں جاب کی تلاش میں تھا ساتھ ساتھ میں نے ہال روڈ کی ایک بڑی الیکٹرونک کی ورکشاپ پر بھی جانا شروع کر دیا تھا۔کلثوم باجی کی اپنے سسرال سے لڑائی اِس بار کافی لمبی ہو گئی تھی۔تائی جی کے میکے چیچہ وطنی میں کوئی شادی آ گئی تو تایا جی اور تائی اُدھر چلے گئے۔ پیچھے سے تایا جی کا TV خراب ہو گیا تو ابّو نے مجھے حکم دیا کہ جا کے اُن کا TV ٹھیک کر دوں۔

’’اِس کی تاریں تو قینچی سے کاٹی گئیں ہیں‘‘ میں نے بتایا تھا۔

’’مجھے پتا ہے......‘‘ کلثوم باجی نے بڑے فخر سے کہا۔

’’کیوں......؟‘‘ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

’’تمھاری محبت کی وجہ سے میں یہاں آ کے بیٹھی ہوئی ہوں تم ہو کہ اِدھر کا چکر ہی نہیں لگاتے۔‘‘

’’میری محبت......؟ کون......؟ کس کی بات کر رہی ہیں باجی!!‘‘ میں نے کلثوم باجی سے ایک ساتھ ہی کئی سوال پوچھ لیے تھے۔کلثوم باجی میرے جواب سے ششدر تھی۔

’’کیا تم عارفہ سے محبت نہیں کرتے......؟‘‘ کلثوم باجی ہڑبڑا اُٹھی تھی۔

’’آپ کو کس نے کہا......؟‘‘

’’عارفہ تو کہتی ہے کہ تم بھی اِس سے محبت کرتے ہو۔‘‘

’’کس سے کہتی ہے۔‘‘ میں نے اُلجھن سے پوچھا۔

’’مجھ سے......‘‘ کلثوم باجی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

’’کلثوم باجی مجھے تو آج تک خود ہی سمجھ نہیں آئی کہ کون کس سے محبت کرتا ہے۔‘‘ میری اور کلثوم باجی کی اُلجھن بھی عارفہ نے ہی دور کی تھی۔

’’اوئے تمھاری تم جانو......میں تو تم سے محبت کرتی ہوں......تمھاری ہی خاطر میں نے تنویر سے منگنی تڑوائی ہے۔‘‘

’’میں نے کب کہا تھا کہ تم تنویر سے منگنی توڑ دو‘‘ میں نے کلثوم باجی کے سامنے خود کو عارفہ کی یک طرفہ محبت سے الگ کر لیا تھا۔

"عارفہ اگر میرا گھر برباد ہوا تو اُس کی سب سے بڑی وجہ تم بنو گی۔" کلثوم باجی نے ملامتی انداز کے ساتھ عارفہ سے کہا تھا اور وہاں سے پاؤں مارتے ہوئے چلی گئی۔

"باجی کے سامنے یہ سب بولنے کی کیا ضرورت تھی تم کچھ بھی کرلو بسما سے تمھاری شادی میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" عارفہ نے مجھے سیدھے لفظوں میں کھلم کھلا دھمکی دے ڈالی تھی عارفہ بھی پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ میں تو تایا جی کے گھر TV ٹھیک کرنے گیا تھا عارفہ نے میری ہی مرمت کردی تھی۔ میں نے جلدی سے TV ٹھیک کیا اور وہاں سے نکلا۔ عارفہ کو جب بھی مجھ سے ملاقات کرنی ہوتی وہ خود ہی TV کو کھول کر اُس کی کوئی نہ کوئی تار کاٹ دیتی تھی۔

☆......☆......☆

میں کوٹ کی جیب میں تین سکے لیے "تین برگر" خریدنے کے لیے راحت بیکری پہنچا۔ میں نے جاتے ہی تین برگر کا آرڈر دے دیا لڑکے نے تین برگر پیک کر کے 120 روپے کا بل کاٹ کے میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کر دیا میں شاپر بیگ اُٹھائے کاؤنٹر پر پہنچا۔ بل کاؤنٹر پر دیا اور خود اپنی خالی جیبیں ٹٹولنے لگا دو منٹ تک میں یہ ڈراما کرتا رہا۔ کاؤنٹر والا مجھے غور سے دیکھ رہا تھا کیونکہ میں کبھی بھی اچھا ایکٹر نہیں رہا تھا۔

"کاکا!! شاپر رکھ دو......اور پیسے لے آؤ...... پھر لے جانا......تین برگر۔" کاؤنٹر والے نے بڑے اسٹائل سے کہا تھا تین برگر مگر مجھے ایسے لگا جیسے اُس نے میری غربت کو گالی دی ہو۔ یہ سُننے کے بعد بھی میں شاپر نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک لمحے سوچا دوڑ لگا دوں پھر خیال آیا پکڑا گیا تو کسی کا مان ٹوٹ جائے گا۔ کروں تو کیا کروں......؟ میں اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میں پلٹا ایک دوشیزہ مجھ سے ٹکرائی میری بائیں ہاتھ کی کلائی اُس حسینہ کے کندھے پے لگی۔ غلطی پتہ نہیں کس کی تھی اُس کا بڑا پن یہ تھا اُس نے مجھ پر چڑھائی کرنے کی بجائے Sorry کہا بل دیا اور وہاں سے چلی گئی میں نے نظروں سے اُس کا تعاقب کیا تو پتہ چلا گاڑی میں ایک خوبصورت نوجوان اُس کا منتظر تھا۔ اُس دوشیزہ کے بیکری سے باہر جاتے ہی اُس نوجوان نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی دروازہ کھولا وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ جب میری کلائی اُس دوشیزہ کے کندھے

سے لگی تھی تبھی مجھے احساس ہوا میرے ہاتھ میں تو CASIO کی برینڈ نیو گھڑی بندھی پڑی ہے۔ میں نے وہ گھڑی اُتاری اور کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کو بل کے ساتھ دے دی۔

جتنے فخر سے میں نے اُس کو گھڑی پیش کی تھی اُس سے کہیں زیادہ حقارت سے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا شخص بولا:

''کاکا! یہ بیکری ہے گھڑیوں کی دکان نہیں۔''

''آپ یہ گھڑی رکھ لیں میں 120 روپے آپ کو دے جاؤں گا اور اپنی گھڑی لے جاؤں گا۔''

''اپنی گھڑی پکڑ، شاپر رکھ اور نکل......'' اُس آدمی نے باقاعدہ میری بے عزتی کر دی تھی۔ میرا دل چاہا ایک زور سے لگا دوں اِس کے کان کے نیچے، غریب ہوا تو کیا ہے، ہوں تو گوالمنڈی سے، لیکن یہ بھی اِس مسئلے کا حل نہیں تھا۔ میں نے مفاہمت کا رستہ اختیار کیا اور بڑی معصومیت سے کہنے لگا:

''چاچا جی!! تین برگر مجھے کسی بھی قیمت پر چاہیں۔''

''ٹھیک ہے تو پھر تم یہ گھڑی مجھے 120 میں بیچ دو۔ رات کو مالکوں کو حساب دیتے ہوئے 120 روپے کی جگہ گھڑی تو نہیں دے سکتا۔ گھڑی میں خود رکھ لیتا ہوں اور 120 روپے اپنی جیب سے حساب میں ڈال دیتا ہوں۔''

''مگر یہ تو بالکل نئی ہے آج پہلی بار ہی پہنی ہے اِس کی قیمت تو 120 سے بہت زیادہ ہے۔'' میری باتوں سے اُس شخص کے کان پر جوں تک نہ رینگی اُس نے گھڑی میری طرف کر دی۔ میں نے گھڑی پکڑنے کی بجائے وہ شاپر پکڑنا بہتر سمجھا جس میں تین برگر تھے، جب میں پلٹا تو وہی دوشیزہ جس سے میری ٹکر ہوئی تھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''Sorry میں نے دیکھا نہیں تھا۔'' میں یہ بول کر چل پڑا تھا۔

''آپکا نام پوچھ سکتی ہوں......؟'' اُس دوشیزہ نے میرے باہر نکلنے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

''مہروز ماجد۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے بھی......'' میں نے اُسے جواب دیا اور بیکری سے باہر نکل آیا۔ ایک سو بیس کا مل کوٹ کی جو جیب دل

پر لگی ہوتی ہے اُس میں ڈال لیا۔

☆......☆......☆

کالج کی چھٹی کے بعد گھر پہنچا جاتے ہی امّی سے مجھے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ نانی ٹھیک ہیں اور انہیں ہسپتال سے چھٹی بھی مل گئی ہے۔ امّی میری طرف دیکھ دیکھ کر ہلکا ہلکا مسکرا رہی تھیں میں ڈر رہا تھا کہ امّی کو "تین برگر" والی بات کی بھی خبر ہو چکی ہے اور خالو کے تھپڑ کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ رات ابو گھر آئے تو میں اُن سے بھی چھپتا پھروں ابو کے چہرے پر مسکراہٹ تو نہ تھی کوئی ایسی خفگی بھی نہ تھی۔ وہ دن اللہ اللہ کر کے گزر گیا اگلے دن کالج سے لوٹا تو امی ابو دونوں کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ ابو عموماً رات گئے اپنی دُکان سے گھر لوٹتے تھے اُس دن وہ ٹائمو ٹائم ہی گھر آ چکے تھے۔ میں ابو کو دیکھ کر حیران تھا، ساتھ ساتھ اُن سے ڈر بھی رہا تھا ابو کمرے سے نکلے تو میں نے جلدی سے امّی سے پوچھا:

"کدھر کی تیاری ہے......؟"

"نکاح پر جا رہے ہیں!!"

"مہروز کی ماں آ بھی جاؤ......" ابو نے ویسپا کو کک مارنے کے بعد کہا تھا۔ امّی نے گرم چادر اپنے کندھے پر لیتے ہوئے جواب دیا:

"آئی جی......سدرہ اور سعدیہ ٹیوشن سے آتی ہیں تو اُن کے پاس ہی رہنا......آلو پالک میں نے پکا دی ہے روٹیاں تندور سے لے آنا۔" امّی نے باہر جاتے جاتے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا تھا۔ شام کو نبیل اپنی دکان سے لوٹا تو چھت پر اُس سے ملاقات ہوئی نبیل مجھ سے پوچھنے لگا:

"بسما کی کوئی خیر خبر......؟"

"خود ہی تو تم نے مشورہ دیا تھا معاملہ گرم ہے......دو چار دن بسما سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ آج دوسرا دن ہے۔"

"اُس کا کوئی فون شون نہیں آیا......؟"

"فون کہاں آتا......ایک ہفتے سے تم لوگوں کا نمبر خراب ہے۔"

’’تیرے تائے ساجد کا نمبر تو ٹھیک ہے......

’’تائی پہلے ہی میرے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑی ہیں۔۔اُنھیں تو مجھے بدنام کرنے کا ایک اور موقع مل جاتا۔‘‘

’’یار تو دُکان کا نمبر دے دیتا۔‘‘

’’تیری غیر موجودگی میں اُس کا فون آتا تو تیرے ابا جی فون سُن کر فوراً ابو کو خبر دیتے۔‘‘

’’بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔‘‘ نبیل نے فوراً میری بات کی تائید کی تھی۔

’’کل تم خود ہی فون کر کے ہائے ہیلو کر لینا۔‘‘ عاشقی کا پیریڈ ختم ہوا تو کبوتروں کا شروع ہو گیا۔ رات گئے تک میں اور نبیل چھت پر بیٹھ کر کبوتروں کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ مجھے گلی میں ویسپا کی آواز آئی میں جلدی سے دبے پاؤں سیڑھیاں اُترا اور گھر کا دروازہ کھولا سامنے امّی کھڑی ہوئی تھیں۔

’’ابو پھر کہاں چلے گئے ہیں......؟‘‘ میں نے گلی میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’ویسپا واپس کرنے۔‘‘ امّی نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اپنے کندھوں سے اپنی گرم چادر اُتارتے ہوئے کہا اور خود اپنے کمرے میں چلی گئیں میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

’’تمھارا بسما کے ساتھ کوئی چکر تھا کیا......؟‘‘ امّی نے بڑے آرام سے پوچھا مگر میرے لیے اُس کا جواب دینا مشکل ہو گیا تھا۔

’’چکر......؟‘‘ میں نے حیرانی سے کہا۔

’’آج وہ میرے گلے لگ کے بڑا روئی تھی۔‘‘ امّی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

’’کیوں کوئی آپریشن ہوا ہے اُسکا۔‘‘ میں نے ایسا کہا جیسے میں بسما کو جانتا ہی نہیں۔

’’نہیں شادی......شادی بھی آپریشن جیسی ہی ہوتی ہے۔‘‘ امّی نے پھیکا سا مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

’’شادی کس کی......؟‘‘ میں اضطراب کے ساتھ صرف اتنا ہی پوچھ سکا تھا کہ بیرونی دروازہ بج اُٹھا، اُدھر میرا دل ڈوبے جا رہا تھا اور اُدھر دروازہ مسلسل بجے جا رہا تھا۔

’’جلدی جاؤ تمھارے ابو جی ہیں۔‘‘ امّی نے زور دے کر کہا۔ میں نے بوجھل قدموں کے ساتھ جا کے دروازہ کھولا تھا، جیسے ہی ابو کی مجھ پر نظر پڑی وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے پوچھنے لگے:

''یار مہروز تمھارا کورس کب ختم ہوگا۔''

''آخری سال ہے۔'' ابو میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے مجھے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں ہی لے آئے تھے۔

''مہروز کی ماں اِس کا کورس پورا ہوتا ہے تو میں نے بھی اِس کا ایسے ہی سادگی سے نکاح کر دینا ہے۔'' ابو جی کرسی پر بیٹھ کر اپنے بوٹ اور موزے اُتارتے اُتارتے بولے تھے۔

''ابھی اِس کی عمر ہی کیا ہے......؟ اِسے کچھ کرنے تو دیں!!''

''بیس اکیس کا ہو گیا...... بسما تو اِس سے بھی چھوٹی تھی وہ اپنے گھر کی ہو گئی ہے۔'' جو مغالطہ تھا وہ بھی دُور ہو گیا اِس سے پہلے کے میں رو دیتا میں نے جلدی سے وہاں سے کھسکنا ہی بہتر سمجھا۔

☆......☆......☆

''بہت ٹیسٹی ہے...... مزہ آ گیا'' سندس نے برگر کی پہلی بائیٹ لیتے ہی کہہ دیا تھا بسما نے اپنے برگر کے اوپر سے سفید کاغذ کا لباس اُتارتے ہوئے میری طرف دیکھا میں اُس کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔

''تم اپنے لیے کچھ نہیں لائے......'' بسما نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا میں نے نفی میں گردن ہلائی تھی بسما اُٹھ کر میرے پاس آ گئی اور آدھا برگر مجھے دے کر کہنے لگی:

''آدھا آدھا کھا لیتے ہیں۔''

''تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں۔''

''مل جل کے کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔'' بسما نے شرماتے ہوئے کہا۔ سندس نے فوراً نظریں اُٹھا کر دیکھا ہماری طرف اب مجھے بھی سندس کے دیکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ میں نے زندگی میں بڑے برگر کھائے مگر اُس آدھے برگر کا ذائقہ ہی کچھ اور تھا شائد اُس پر بسما کے ہاتھ لگے تھے، برگر ختم کرنے کے بعد بسما بول پڑی:

''ندا تم سندس کے پاس بیٹھو میں اور مہروز تم دونوں کے لیے کینٹین سے چائے لے کر آتے ہیں'' بسما اپنی جگہ سے اُٹھی اور باغیچے سے ایک گلاب کا پھول توڑ لائی اور بڑے اعتماد سے مجھے پیش کر دیا میں نے سندس اور ندا

کی طرف دیکھا اور پھر بسما کے ہاتھ سے وہ پھول لے لیا۔ بسما نے اپنی محبت کا اعلان کر دیا تھا۔ میں بسما کی عزت کی وجہ سے بزدل بنا ہوا تھا بسما ہی کی محبت نے مجھے بہادر بھی بنا دیا تھا۔ بسما نے اپنی نازک ہتھیلی میری طرف بڑھا دی میں نے گلاب کا پھول دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اپنا ہاتھ اُس کی ہتھیلی پر رکھا دیا بسما کی ہتھیلی گلاب کی پتیوں ہی کی طرح نرم تھی میں آج بھی اپنے ہاتھ پر بسما کا لمس محسوس کرتا ہوں۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور بسما کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ چائے تو ایک بہانہ تھی ہم دونوں سندس اور ندا کے سامنے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو گئے۔

''مہروز!! تایا جی نے اجمل کے لیے میرا رشتہ مانگا ہے۔ امی نے یہ کہہ کے بات ٹال دی ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں تم بھی تو کچھ کرو۔''

''امی اور نانی کو رشتے کے لیے بھیج دیتا ہوں......'' میں نے فٹ سے جواب دیا۔

''کچھ کام کرو۔ اجمل کا شٹرنگ کا کاروبار ہے......اچھے خاصے پیسے کماتا ہے......وہ۔''

''میرا آخری سمیسٹر چل رہا ہے...... پڑھائی چھوڑ کر کام کیسے کروں......؟'' میری گردن پر ایک زوردار تھپڑ پڑا تھا ایک لمحے کے لیے تو میرے طوطے ہی اُڑ گئے تھے پلٹ کر دیکھتا ہوں تو خالو کھڑے تھے۔ خالو رشید نے تلوار سے زیادہ تیز نظروں سے بسما کی طرف دیکھا، وہ خاموشی سے گردن جھکائے وہاں سے چپ چاپ ہی خالو کے آگے آگے لگ کے چل پڑی تھی۔ خالو رشید مجھے دو چار اور لگا دیتے اگر میں پبلک پلیس پر نہ ہوتا۔ اِس بے عزتی کے بعد نانی سے ملنے کی بھی ہمت نہ ہوئی اور میں گردن جھکائے کینٹ سے پیدل ہی گوالمنڈی کی طرف چل پڑا۔

کنال روڑ سے مال پر چڑھتے ہوئے میں نے نہر کی طرف دیکھا جس میں گدلا پانی بہے جا رہا تھا میرا بھی دل چاہا ہے کہ اِس گدلے پانی میں چھلانگ لگا کر جان دے دوں مگر یہ تو چھوٹی سی نہر تھی یہ صرف مجھے گیلا کرتی ڈبو نہیں سکتی تھی کیونکہ میں بڑا اچھا تراک بھی تھا۔ تراک نہ بھی ہوتا ڈھیٹ عاشق ایسے تھوڑی مرجاتے ہیں جب تک وہ اپنے حصے کی رسوائی نہ پی لیں تب تک نہر کا گندا پانی بھی اُن کی حلق میں نہیں جا سکتا۔

ایک ماہر تراک ہونے کے باوجود بھی میں طبقاتی نہر کو پار نہیں کر سکا تھا۔ جہاں محبت سے زیادہ انسانوں

کے لیے دولت اہم ہوتی ہے۔وہ تین سکے میں نے اُسی گندے پانی میں پھینک دیئے تھے۔

☆......☆......☆

بسما کے نکاح کے بعد ایک دن نانی مجھے تفصیل بتانے لگیں:

''جب میں ہسپتال سے گھر آئی تو پتہ چلا رشید نے اجمل سے بسما کا رشتہ طے کر دیا ہے۔بسما بڑی روئی ،کرلائی تھی مگر رشید نے اُس کی ایک نہ سُنی تھی۔تیری ماسی کی بہو اور سندس نے تیرے خالو کے خوب کان بھرے تھے بسما اور تیری ماسی کے خلاف۔رات کو بسما نے کہا کہ میں زہر کھالوں گی ،مگر اجمل سے نکاح کسی صورت نہیں کروں گی۔رشید کہنے لگا اگر تم نے اجمل سے نکاح نہ کیا تو میں تمھاری ماں کو طلاق دے کر گھر سے نکال دوں گا۔ یہ کرواتی تھی تیری ملاقاتیں اُس کمینے کے ساتھ۔''

میرے جسم میں نانی کی باتیں سُننے کے بعد خون کی گردش تیز ہوگئی تھی نانی نے باتوں کا سلسلہ پھر سے شروع کردیا:

''آسیہ کہنے لگی:''بسما اجمل سے نکاح کرے گی مگر میری بھی ایک شرط ہے۔''رشید فٹ سے بولا:

''بولو!!''

''آپ مجھے میری بہنوں سے ملنے سے کبھی بھی نہیں روکیں گے۔''

''منظور ہے۔''

''اُنھیں نکاح پر بھی بلائیں گے اور اُن سے کسی بات کا تذکرہ بھی نہیں کریں گے۔''

''یہ بھی منظور ہے۔''

نانی نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا:

''مہروز بیٹا!!بسما بے وفا نہیں تھی مجبور تھی وہ کرتی بھی تو کیا کرتی۔''

''ثانیہ کیا تھی......؟''میں نے نانی سے گلے کے انداز میں پوچھا تھا۔

''وہ لالچی تھی......جب اُس کے لیے اُس موئے ڈیلر کا رشتہ آیا تو میں نے اُسے بہت سمجھایا تھا۔ثانیہ بیٹی مہروز بڑا اچھا لڑکا ہے وہ تمھیں بہت خوش رکھے گا۔ثانیہ کہنے لگی:''نانو کیسے خوش رکھے گا کرائے کے گھر میں وہ

لوگ رہتے ہیں۔ سرکاری کالج میں وہ پڑھ رہا ہے اگر ملی بھی تو اُسے کسی فیکٹری میں کوئی معمولی سی نوکری مل سکتی ہے۔ اُس کا کوئی فیوچر نہیں ہے جب کہ امتیاز کا اپنا بنگلہ ہے گاڑی ہے ایک شاندار فیوچر ہے امتیاز کو چھوڑ کر مہروز سے شادی کرنا حماقت ہوگی۔"

"نانی پھر آپ نے کیوں ہمیشہ ہی کوشش کی کہ میرا رشتہ میری خالوں کی طرف ہو جائے۔" میں نے دُکھی ہو کر پوچھا تھا۔ نانی نے ٹھنڈی سانس بھری اور غمگین ہو کر گویا ہوئیں:

"مہروز بیٹا میں رشتوں کی پرانی دیواروں پر نئی رشتے داری کا سیمنٹ لگانا چاہتی تھی۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"میں صرف تمھیں بتا سکتی ہوں...... سمجھا نہیں سکتی۔"

"آپ ایسا کیوں چاہتی تھیں......؟"

"نئے رشتے پرانے رشتوں کو مضبوط بناتے ہیں اور کمزور بھی کرتے ہیں۔ میں بھی اپنی بیٹیوں کے درمیان کمزور رشتوں کو مضبوط کرنا چاہتی تھی۔"

"نانی آپ کی باتوں سے تو مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میری حیثیت آپ کے نزدیک اینٹ، ریت، سیمنٹ جیسی ہی تھی۔"

نانی نے جلدی سے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور رندھی سی آواز میں بولیں:

"مجھے غلط مت سمجھو مہروز بیٹا!! جب تمھاری اُولاد جوان ہوگی اُس وقت تمھیں اپنی نانی بالکل ٹھیک لگے گی۔ اللہ جانتا ہے میری نیت بالکل صاف تھی۔"

"اگر آپ کی نیت صاف تھی تو اُسے کامیابی کیوں نہیں ملی۔"

"تمھاری غربت کی وجہ سے۔"

"میری غربت......؟" میں نانی کی بات سُن کر حیران رہ گیا تھا زندگی کا ایک دن نکال کر میں نے کبھی خود کو کبھی بھی غریب نہیں سمجھا۔ میرے پاس خود کی سائیکل تھی اللو سے اچھی پاکٹ منی بھی مل جایا کرتی تھی عارفہ سے اُدھار بھی مل جاتا تھا۔ ہر روز رات کو نبیل کے ساتھ میرے لیے بھی ایک پیالہ دودھ آ جاتا، چھٹی والے دن میں

اور نبیل باہر سے ناشتہ کرتے کبھی بھیجے کے پائے، کبھی فیکے کی لسی، کاکے کی نہاری، آج نانی نے مجھے غریب بول دیا، اپنے من کے آئینے میں مجھے کبھی اپنی غربت نظر ہی نہیں آئی تھی۔ میں تو دل کا امیر تھا اور اسی کو امیری سمجھتا تھا۔

"ثانیہ نے تمھاری محبت نہیں دیکھی اُسے تو تمھاری غربت ہی نظر آئی تھی۔ اِسی طرح رشید کی نظرت بھی تھی، اُس نے خالی ہاتھوں کی بجائے بھرے ہوئے ہاتھوں میں اپنی بیٹی کا ہاتھ دیا ہے۔"

"نانی سچ میں ثانیہ یا بسما کے دل میں میرے لیے کچھ نہیں تھا۔"

"ثانیہ نے تو تمھاری محبت کو ہی تھوک دیا اور بسما نگل ہی گئی۔"

ایک دم سناٹا تھا میرے اندر بھی اور باہر بھی زندگی میں پہلی بار مجھے ایسی تلخ حقیقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اپنا گدھا بھی گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ میں گوالمنڈی کو ہی نیویارک کی بزنس سڑیٹ سمجھ بیٹھا تھا۔ میرے نزدیک دنیا کے سب سے امیر لوگ گوالمنڈی کے ہی مکین تھے۔

"عارفہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔" نانی نے ثانیہ، بسما کے بعد عارفہ کے لیے بھی وہی لائن بول دی تھی میں یہ سُن کے خاموش ہی رہا۔

"اگر اتنی اچھی ہوتی تو تنویر اُس سے سالوں پرانی منگنی کیوں ختم کرتا۔"

"تمھاری وجہ سے......" نانی نے ایک اور الزام میرے سر لگا دیا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے......؟"

"جو چیزیں ساجد اپنے ہونے والے داماد کے لیے سعودیہ سے لاتا تھا وہ چیزیں تم عارفہ سے لے لیتے تھے۔"

"خدا کی قسم نانی میں نے عارفہ سے کبھی کچھ نہیں مانگا وہ تو خود ہی مجھے تحفے تحائف دیتی رہتی ہے۔"

"اور تم لے لیتے ہو......ذرا سوچو ایک لڑکی اپنے منگیتر کی چیزیں کسی دوسرے کو کیوں دے دیتی ہے۔"

"مجھے کیا پتا تھا کہ وہ چیزیں تایا جی تنویر کے لیے لاتے تھے۔"

"عارفہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔"

''میں بچپن سے ثانیہ سے محبت کرتا تھا اور بسما بچپن ہی سے میری محبت میں گرفتار تھی نہ ثانیہ مجھے ملی اور نہ ہی بسما مجھے پا سکی۔کلثوم باجی کی شادی سے بھی پہلے سے تنویر عارفہ کے عشق میں مبتلا ہے میں تنویر کا عشق دیکھوں یا عارفہ کی محبت۔''

''اگر تنویر کو عارفہ سے عشق ہوتا تو وہ اُس سے منگنی نہ توڑتا۔''

''بے وفائی کرو تو منگنی کیا شادی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔''میں نے نانی کو جواب دیا تھا۔

''عارفہ نے کس کی خاطر تنویر سے بے وفائی کی ہے،تمھاری خاطر۔''نانی کی بات سُن کر میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''ارے میں تو بھول ہی گئی تھی۔''نانی یہ کہتی ہوئیں اپنی جگہ سے اُٹھیں اور اپنے بیگ میں سے ایک پیکٹ نکال کر لے آئیں جو Pink کلر کے ایک گفٹ پیپر سے پیک تھا۔

''یہ بسما نے تمھارے لیے خریدا تھا۔''میں نے وہ تھام لیا۔اور اپنی بہنوں کے کمرے سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔اپنا لکڑی کا بڑا سا صندوق اپنے پلنگ کے نیچے سے نکالا جس کے اندر میں اپنی خاص چیزیں رکھا کرتا تھا۔وہ گفٹ اُس میں رکھا اور اُسے پھر سے تالا لگا دیا۔

☆......☆......☆

''شیر بن شیر......مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے......''نبیل نے مجھے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے تسلی دی تھی مگر آنسو تھے کہ وہ کسی تسلی کو نہیں مان رہے تھے وہ تو مسلسل بہے جا رہے تھے۔

''ایک کی منگنی ہوگئی اور دوسری کی شادی......میں نے تو دونوں کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔''میں نے زخمی آواز کے ساتھ کہا تھا۔

''دودھ......بھائی!!۔''عالی نے جمال کے پاس کھڑے ہوئے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔میں نے جلدی سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا اور ٹرے سے دودھ کا پیالہ اُٹھا لیا عالی وہاں سے مزید کچھ کہے چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہو......؟''میں نے چیختے ہوئے عارفہ سے کہا تھا اُس کے ہونٹوں پر ایک

فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اب تو تمھارے گلے پڑ گئی ہوں۔'' عارفہ نے بڑے فخر سے کہا۔ جیسے مجھے فتح کیا ہو۔

میں نے مری ہوئی آواز میں اُسے یاد کرایا: ''ہماری شادی نہیں ہوئی ابھی تک۔''

''دن رکھے گئے ہیں شادی بھی ہو ہی جائے گی۔''

''میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے دوٹوک کہہ دیا۔

''مجھے تم سے محبت ہے اور میں تم سے ہی شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' عارفہ نے الفت سے کہا میں ہلکا سا مسکرایا۔

''مسکرا کیوں رہے ہو۔'' عارفہ نے فوراً پوچھا۔

''اس لیے کے دو مردوں کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لی ہے تم نے۔'' میری بات سُن کر عارفہ ٹس سے مس نہیں ہوئی اب عارفہ کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔

''تنویر کی بات تو رہنے ہی دو۔'' عارفہ نے بے رُخی سے کہا۔

''کیا قصور تھا اُسکا......؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''اوئے......تم مجھے بتاؤ میرا کیا قصور ہے......؟ تنویر کو میں نے تمھارے لیے چھوڑا ہے......ایک تم ہو کے کبھی محبت کے ساتھ میری طرف نہیں دیکھا۔'' عارفہ جذباتی ہو گئی تھی میں مزید کچھ کہے وہاں سے اُٹھ گیا۔

''اوئے کہاں جا رہے ہو......؟'' عارفہ نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''ہال روڈ......''

''ٹی وی تو ٹھیک کرتے جاؤ......''

''ٹی وی تو ٹھیک ہو جائے گا زندگی کا کیا......؟ عارفہ تم نے اپنی ضد کی خاطر میری اور تنویر کی زندگی برباد کر دی ہے۔'' میں نے ٹی وی ٹھیک کیا اور اپنی راہ پکڑی۔

☆......☆......☆

میں اُس دن اضطراب کے عالم میں چھت پر ٹہل رہا تھا۔ نبیل عالی کے جہیز کا سامان چھوڑنے کے لیے

گوجرانوالہ گیا ہوا تھا، آنے والے جمعہ کو میرا اور عارفہ سے سادگی کے ساتھ نکاح ہونا تھا۔ اُس سے دو دن بعد اتوار کو عالی کی برات تھی۔ سردی کے باوجود میرا نیچے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ نانی میرے کمرے میں میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

عالی! چینی کے پیالے کو ٹرے میں رکھے ہوئے نمودار ہوئی۔

''مہروز میں آپ کے لیے گرم دودھ لائی ہوں۔''

''کیوں لائی ہو تم میرے لیے گرم دودھ۔'' میں نے گرمی کھاتے ہوئے جواب دیا۔ عالی کے چہرے پر سنجیدگی بڑھ گئی۔

''دل میرا چاہ رہا تھا جی اور حکم امی نے دے دیا۔''

''جاؤ لے جاؤ دودھ میں نے نہیں پینا۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔

''آپ عارفہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے نا......؟'' عالی نے معصومیت سے پوچھا، میں نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا تھا۔ میرے غصے سے عالی کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اُسی سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگی:

''آپ عارفہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے اور میں انور سے۔''

''تم نیچے جاؤ تمھارے گھر والے کیا سوچیں گے۔'' میں غصے میں چلایا۔

''میرے گھر والوں کو مجھ پر اعتماد ہے۔'' عالی نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

''اگر یہی حرکتیں رہیں تو اعتماد اُٹھ جائے گا۔''

''محبت اعتماد کا دوسرا نام ہے...... آپ پر اعتماد نہ ہوتا تو کیسے کرتی محبت......؟''

''تم اپنی بکواس بند کرو اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

''انور مجھے نہیں پا سکتا اور عارفہ کا میں آپ کو ہونے نہیں دوں گی۔'' عالی نے بڑے تحمل اور یقین سے کہا اور نیچے چلی گئی میری پریشانی میں اور اضافہ وہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہمارے گھر میں میرے نکاح کی تیاریاں زوروشور سے چل رہی تھیں امی اور میری بہنیں گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھیں۔ میں کمروں کی سفیدی کے بعد صحن میں سفیدی کررہا تھا۔عالی خالی ہاتھ مجھے سیڑھیاں اُترتی ہوئی دکھائی دی۔

''چاچی جی! آپ کی بہن کا ملتان سے فون آیا تھا۔وہ دس منٹ بعد دوبارہ فون کریں گے۔''

''خیریت تو ہے عالی بیٹا!'' نانی نے چاول چُنتے ہوئے گردن اُٹھا کر فکر مندی سے پوچھا۔

''بی بی جی خیریت ہی ہے، انھوں نے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔'' عالی نے سکون سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا میں پہلے ہی سے اُسے دیکھ رہا تھا، نانی کی نگاہوں سے ہماری اکھیوں ہی اکھیوں میں ہوتی ہوئی بات چیت چھپ نہ سکی۔ امی جی نے منہ ہاتھ دھونے کے بعد تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے نانی سے کہا:

''ماں جی چلیں۔''

''تم ہی سُن آؤ عطیہ کی ضروری بات۔'' نانی کا وہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا امی جی نبیل کے گھر خالہ عطیہ کا فون سُننے چلی گئیں عالی نانی کے پاس بیٹھ گئی۔

''تمھاری شادی کو کتنے دِن رہتے ہیں عالی بیٹا......؟'' نانی نے چاول چُنتے چُنتے ہی عالی کو دیکھے بغیر پوچھا تھا۔

''مہروز کے نکاح کو پانچ دن باقی ہیں۔'' عالی نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا تھا، میں بھی اپنا کام ختم کر چکا تھا اور میں عالی ہی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تمھاری شادی کا پوچھا ہے۔ مہروز کے نکاح کا نہیں۔'' نانی نے سنجیدگی کے عالم میں دبے غصے کے ساتھ جواب دیا۔

''مہروز کے نکاح کے ایک دن بعد ہی تو میری شادی ہے بی بی جی۔''

''نانی جی! چائے۔'' سدرہ نے چائے کی ٹرے نانی کے سامنے کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''میں نے کب چائے مانگی۔'' نانی نے سوالیہ انداز میں چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے پوچھا، سدرہ نے وہی ٹرے عالی کی طرف کرتے ہوئے جواب دیا:

''عالی باجی کے لیے بنائی تھی سوچا آپ کے اور بھائی کے لیے بھی بنادوں۔''

''نانی بسکٹ......'' سعدیہ دو پلیٹیں پکڑے ہوئے نانی کے سامنے کھڑی تھی۔

''یہ بسکٹ اور نمکو بھی عالی باجی کے لیے ہیں......؟'' نانی نے تشویش بھرے لہجے میں سدرہ اور سعدیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''عالی باجی کے گھر جائیں تو وہ اتنا کچھ کھلاتی ہیں ہمیں۔'' سدرہ نے بڑے مزے سے بتایا، سعدیہ بھی جلدی سے بول پڑی: ''میں تو چاہتی تھی کہ عالی باجی ہی ہماری بھابھی بنیں۔''

''سعدیہ......سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' میں نے سعدیہ کو ڈانٹ دیا تھا ایک دم خاموشی چھا گئی۔

''Sorry'' سعدیہ دبی سی آواز میں بولی تھی سدرہ نے سعدیہ کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے بات کو سنبھالا:

''وہ بھائی سعدیہ کا مطلب تھا کہ عالی باجی جیسی ہی ہماری بھابھی ہو۔'' نانی اس سارے منظر نامے کے دوران خاموش ہی رہیں۔نانی کے علاوہ ہم سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ نانی سب کے چہروں پر لکھی ہوئی تحریروں کو پڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اس دوران امی جی خوشی کے عالم میں صحن میں داخل ہوئیں۔

''ماں جی! مبارک ہو پہلے مہینے عید کے بعد ثانیہ کی شادی ہے......دن رکھ لیے ہیں۔عطیہ باجی بتا رہی تھیں آپ لوگوں کو شادی کے کارڈ بھی چند دنوں میں مل جائیں گے۔''

''ہم ملتان جائیں گے ثانیہ باجی کی شادی پر۔'' سعدیہ جو سہمی ہوئی بیٹھی تھی وہ یہ سُن کر کھل اُٹھی وہ سب بھول گئی جو اُس نے چند منٹ پہلے بولا تھا۔

''بڑا مزہ آئے گا۔'' سدرہ بھی اپنی خوشی چھپا نہیں سکی، خوشی کا ماحول تھا ابو جی بھی آ گئے بے شمار شاپر بیگ اُٹھائے ہوئے۔

''یہ لو مہروز کی ماں جو جو لسٹ میں لکھا ہوا تھا سب لے آیا ہوں۔''

''سدرہ، سعدیہ اپنے ابو سے سامان پکڑو۔'' امّی نے میری بہنوں کو حکم دیا اُن دونوں نے جلدی سے ابو سے

سارے شاپر بیگ تھامے اور اندر چلی گئیں عالی نے بھی اپنا خالی کپ رکھا اور وہ بھی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

''اگلے مہینے ثانی کی شادی ہے۔'' امّی نے اپنی طرف سے ابّو کو خوشی کی خبر سنائی ابّو منہ بناتے ہوئے بولے:

''چلو جی نیا خرچہ'' ابّو کے لیے یہ فکرمندی کی بات تھی۔ جس نے بھی کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے۔ ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کے لیے ولن ہوتا ہے۔ ایک کی خوشی دوسرے کو غم معلوم ہوتی ہے۔ ثانی کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ اُس کی ڈیلر امتیاز سے شادی ہونے والی تھی نہ جانے مجھے کیوں تکلیف ہو رہی تھی۔

''مہروز یاد آیا رستے میں ساجد بھائی اور بھابھی ملے تھے اُن کا TV پھر سے خراب ہو گیا ہے وہ تو ٹھیک کر آؤ۔''

''اِس TV کی تو......'' میرے اندر ثانیہ کی شادی کی خبر سُن کر آگ لگی ہوئی تھی اوپر سے ابّو نے TV ٹھیک کرنے کا حکم دے دیا۔

''جاؤ بھی ساجد بھائی نے 9 بجے خبرنامہ دیکھنا ہوتا ہے۔'' میں نے اپنا ٹول باکس پکڑا اور گھر سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

تایا کے گھر کی بیل بجانے سے پہلے ہی عارفہ نے دروازہ کھول دیا جیسے وہ میرے انتظار میں ہی کھڑی تھی۔ جیسے ہی میں تایا کے گھر داخل ہوا عارفہ فکرمندی سے کہنے لگی:

''مہروز مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' میں تیز تیز قدموں سے TV والے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور عارفہ میرے پیچھے پیچھے تھی میں نے TV کو کھولنا شروع کیا عارفہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''صرف ایک تار کاٹی ہے...... TV تو ٹھیک ہو ہی جائے گا......تم میری بات سنو'' عارفہ نے سخت لہجے میں کہا مجھے اُس کا سخت لہجہ پسند نہیں آیا، میں پہلے ہی غصے میں تھا میں نے وہ TV اُٹھایا اور زور سے زمین پر پٹک دیا TV کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔

''اب نہیں ٹھیک ہو گا۔'' عارفہ میرے غصے سے کہاں ڈرنے والی تھی۔

''بھاڑ میں جائے TV تم میری بات سنو'' عارفہ کو TV ٹوٹنے کا کوئی دُکھ نہیں تھا اُسے تو اپنی فکر پڑی تھی۔

''بولو!''

''خالہ کے گھر کوئی کھچڑی پک رہی ہے......کلثوم باجی کا فون آیا تھا......کسی نے تنویر کے کان بھرے ہیں کہ عارفہ تمھاری منگ ہے......تمھارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے اگر عارفہ کی شادی مہروز سے ہوگئی۔''

''تو میں کیا کروں......؟''میں نے تلخی سے جواب دیا۔

''مہروز غصے میں کیوں ہو......مجھے تنویر سے شادی نہیں کرنی مجھے تم سے پیار ہے......تمہیں رب کا واسطہ کچھ کرو۔''عارفہ نے بڑی محبت سے کہا اس سے پہلے میں نے عارفہ کو کبھی اتنی میٹھی زبان میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا وہ ہمیشہ توں، تڑاک، اوئے سے بات کرتی تھی میں بھی کچھ نرم پڑ گیا تھا۔

''بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے......؟''

''تم تنویر کو خود جا کر بتاؤ کہ میرا تمھارا چکر ہے۔''میں عارفہ کی بات سُن کر اُس کی بے وقوفی پر مسکرایا تھا۔

''کیوں کیا ہوا......''عارفہ کو میرے مسکرانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

''تمھارا مجھ سے چکر ہے یہی سوچ کر تو اُس نے تم سے منگنی توڑی تھی۔''میری بات سُن کر عارفہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔میں وہاں سے چل پڑا، عارفہ نے جلدی سے سوچے سمجھے بغیر ہی بول دیا:

''تم اُسے کہہ دو کہ میں تمھارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔''میں عارفہ کی بات سُن کر ہکا بکا ہو گیا تھا، میرے قدم رُک گئے، میں نے پلٹ کر عارفہ کی طرف دیکھا۔

''بول دو......یہ بولو گے تو وہ کبھی بھی مجھ سے شادی کے لیے ضد نہیں کرے گا۔''عارفہ نے مجھے اگلا مشورہ دے ڈالا پاس ہی تایا جی کا ٹیلی فون پڑا تھا میں نے عارفہ کو کلائی سے پکڑا اور ٹیلی فون کے پاس کھڑا کرتے ہوئے کہا:

''تمھارے پاس تنویر کی دُکان کا نمبر تو ہوگا تم اُسے فون کر کے خود ہی سب کچھ بتا دو۔''میں یہ بولنے کے بعد کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی عارفہ نے تو تنویر کو فون نہیں کیا کس کا فون آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

میرے اور عارفہ کے نکاح سے ایک دن پہلے سردی اور دُھند بہت تھی عشاء کی نماز کے بعد ہم سب گھر والے امّی ابو کے کمرے میں ہیٹر لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔عالی نے پہلے سعدیہ کو مہندی لگائی تھی اُس وقت وہ سدرہ

کو مہندی لگا رہی تھی۔

امی، ابو اور نانی کشمیری چائے کے مزے لوٹ رہے تھے، میں اپنی سوچوں میں گم سم بیٹھا ہوا تھا۔ گھر کے بیرونی دروازے کو کسی نے زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا تھا ابو نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا، میں جلدی سے باہر کی طرف بھاگا، دروازہ کھولا تو سامنے کلثوم باجی کھڑی تھی، اُن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سرخ تھیں۔

''تم نے اور عارفہ نے میرا گھر برباد کر دیا مہروز!'' کلثوم باجی نے مجھے کندھے پر دھکا مارتے ہوئے کہا اور خود امّی ابو کے کمرے کی طرف چل دی میں نے دروازے کی کنڈی لگائی میں بھی اُس کے پیچھے ہولیا۔

''چاچی! مجھے برباد ہونے سے بچالیں..... ابو تو میری بات سن نہیں رہے۔'' کلثوم باجی ابو کے سامنے ہاتھ جوڑ کر مناجات کر رہی تھی ابو نے کلثوم باجی کو اپنے قدموں سے اُٹھا کر اپنے بستر پر بٹھایا۔

''کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ تو سہی.....'' ابو نے بڑی شفقت سے پوچھا۔

''چاچی! میرے سسرال والوں نے کہا ہے کہ اگر عارفہ اور مہروز کا نکاح ہو گیا تو وہ مجھے طلاق دے دیں گے۔ میرے امّی ابو کہنے لگے طلاق ہونے ہی دو..... اِس روز روز کی چک چک سے تو جان چھوٹے گی۔ میں طلاق نہیں چاہتی..... انہوں نے مجھ سے میرے بچے بھی چھین لیے ہیں..... چاچی آپ کو اللہ کا واسطہ میرا گھر برباد ہونے سے بچالیں.....''

''مگر یہ رشتہ تو تنویر نے خود توڑا تھا۔'' ابو نے تشویش کے عالم میں کہا کلثوم باجی دانت پیستے ہوئے کہنے لگی:

''اب بھی تنویر کو ہی موت پڑی ہے..... کہتا ہے عارفہ میری بچپن کی منگیتر ہے وہ کیسے مہروز کی بیوی بن سکتی ہے۔۔۔؟ چاچی کچھ کریں نا..... اِس میں میرا کیا قصور ہے۔''

''شبیر کیا کہتا ہے.....؟'' امّی نے جلدی سے پوچھا۔

''چاچی اُس نے کیا کہنا ہے وہ بھی اپنے گھر والوں کی زبان بول رہا ہے کہتا ہے عارفہ ہماری ہے یہ ہماری عزت کا سوال ہے۔''

''جو عزت ہے اُسے تو گھر سے نکال دیا اور خالی ٹوٹی ہوئی نسبت کو عزت بنانے بیٹھے ہیں۔'' نانی نے

افسردگی میں کہا تھا۔
ابّو نے مشاورتی نگاہ نانی کی طرف ڈالی نانی نے ابّو کو گردن ہلا کر تسلی دی اور کہنے لگیں:
''بچیوں تم سب اپنے کمرے میں جاؤ۔'' میری بہنیں اور عالی وہاں سے چلی گئیں۔
''اِدھر میرے پاس آ ؤ......'' نانی نے کلثوم باجی کو بڑی محبت کے ساتھ اپنی طرف بلایا کلثوم باجی ابّو کے بستر سے اُٹھ کر نانی کے پاس جا کر بیٹھ گئی نانی نے اُسے پیار کیا پھر بولیں:
''تمھارا گھر برباد نہیں ہوگا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ بس جو میں پوچھوں اُس کا سچ سچ جواب دینا۔''
کلثوم باجی نے گردن کو اثبات میں ہلایا تھا۔
''یہ تنویر کیسا لڑکا ہے۔'' نانی نے کلثوم باجی سے پوچھا۔
''ٹھیک ہے۔'' کلثوم باجی نے حیران ہو کر کہا۔
''کوئی عیب......'' نانی نے فوراً اگلا سوال کر دیا۔
''عیب تو کوئی نہیں بس تمباکو والے پان کھاتا ہے۔''
''کچھ اور......''
''اور تو کوئی برائی نہیں ہے...... ہاں یاد آیا چھٹی والے دن چھت پر گڈی بھی اُڑاتا ہے۔''
''گوالمنڈی والا گھر کس کے نام ہے۔'' نانی نے اگلی بات پوچھی۔
''خالو جی کے۔''
''تنویر کے نام پر بھی کچھ ہے۔'' نانی کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔
''ہاں ہاں تنویر اور شبیر کے نام 10 دس مرلے پلاٹ ہیں۔'' کلثوم باجی نے فخر سے بتایا۔
نانی کچھ سوچنے لگی تھیں میں اور امی ابو نانی کی طرف دیکھ رہے تھے کلثوم باجی کی آواز نے خاموش کے سلسلے کو توڑا تھا۔
''بی بی جی سب سے بڑی خامی تو میں بتانا بھول ہی گئی۔'' ہم سب کی توجہ فوراً ہی کلثوم باجی کی طرف گئی کلثوم باجی بڑی فکر مندی سے بتانے لگی:

’’بی بی جی! تنویر لائی لگ بہت ہے۔‘‘

امی ابو تو کلثوم باجی کی بیوقوفی پر ہنس پڑے میں بھی ہلکا سا مسکرایا تھا مگر نانی سنجیدہ ہی رہیں۔

’’چلو اُٹھو......‘‘ نانی اپنی جگہ سے اُٹھ پڑیں۔

’’کہاں......؟‘‘ امی نے حیرانی سے پوچھا۔

’’تمھارے جیٹھ کے گھر۔‘‘

نانی امی ابو اور کلثوم باجی کو لے کر تایا کے گھر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

میں بیرونی دروازہ بند کرنے کے بعد صحن سے اپنے کمرے میں جانے لگا تھا کہ عالی میری بہنوں کے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔

’’میں نے کہا تھا نا......‘‘ عالی فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

’’کیا......؟‘‘ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

’’آدھا کام ہو گیا ہے......‘‘ عالی یہ اطلاع دے کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔

میں پہلے ہی پریشان تھا اوپر سے عالی کے جملے نے مجھے اور پریشان کر دیا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی رات گئے امی ابو اور نانی واپس لوٹے تھے۔ امی ابو تو آتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے میں نے نانی سے پوچھنا چاہا کہ تایا کے گھر پر کیا بات ہوئی ہے تو نانی نے صرف اتنا کہا:

’’ابھی سو جاؤ صبح بتاؤں گی۔‘‘ نانی یہ بول کر سدرہ اور سعدیہ کے کمرے میں چلی گئیں نیند کس کافر کو آ رہی تھی وہ رات میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی۔ آج سوچتا ہوں کہ اُس رات مجھے نیند کیوں نہیں آ رہی تھی۔ ثانیہ کی شادی ہونے والی تھی اور بسما نکاح کا ہو چکا تھا، پھر میں کیوں پریشان تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح ابو سویرے ہی سویرے تایا جی کے گھر چلے گئے تھے، امی ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئیں میں نے یہ دیکھا تو پھر سے اپنے کمرے میں رضائی اُوڑھ کر لیٹ گیا تھوڑی دیر بعد نانی میرے کمرے میں آئیں۔

’’اب تک سو رہے ہو مہروز بیٹا۔‘‘ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا نانی میرے پاس میرے بستر پر بیٹھ گئیں اور میرے گال پر پیار کرتے ہوئے کہنے لگیں:

’’مہروز، جوڑیاں تو آسمانوں پر بنتی ہیں......تو میرا بچہ دل چھوٹا مت کر......‘‘

’’میں سمجھا نہیں۔‘‘

’’آج عارفہ کے ساتھ تمھاری جگہ تنویر کا نکاح ہے۔‘‘ میں ایک لمحے میں ہی جیتے جاگتے انسان کی جگہ برف کا پُتلا بن گیا۔ یہ سچ ہے کہ میں عارفہ سے نکاح نہیں کرنا چاہتا تھا یہ بھی سچ ہے کہ مجھے یہ بات سُن کر شدید صدمہ ہوا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خوشی اور غم کو ماپنے کا آج تک کوئی پیمانہ نہیں بنا ہے اگر ہوتا تو یہ غم بھی اُتنا ہی بڑا تھا جتنا ثانیہ کی منگنی یا پھر بسما کے نکاح کے وقت مجھے ملا تھا۔

مُلاّ کی دوڑ مسیت تک اور میری دوڑ چھت تک میں نے رضائی ایک طرف پھینکی اور چھت پر چلا گیا اُس دن کافی دنوں بعد سورج Sir ڈیوٹی پر آئے تھے۔ بڑی پیاری دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

میں ٹوٹی ہوئی کرسی پر منہ بنا کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد میرے کندھے پر کسی کا ہاتھ آیا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو نبیل کھڑا تھا۔ نبیل نے خود ہی مجھے کرسی سے اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

’’نانی نے مجھے سب بتا دیا ہے۔‘‘ نبیل نے مجھے تھپکی دیتے ہوئے کہا تھا۔ میری آنکھوں میں نمی تھی جو آنسوؤں میں ڈھلنا چاہتی تھی اور آنسو آنکھوں کی جیل سے رہائی چاہتے تھے نبیل نے میرے مکھڑے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا:

’’رونا مت......مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔‘‘ آنسو تو میں نے روک لیے مگر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

’’مرد کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے......اُسے بھی چوٹ لگتی ہے......چوٹ لگے تو آنسو نکل ہی آتے ہیں۔‘‘

’’اچھا ہوا عارفہ سے تمھاری جان چھوٹ گئی......تم کونسا اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔‘‘

’’ثانیہ، بسما کے بعد مجھے عارفہ سے بھی محبت ہوگئی ہے۔‘‘

''بھائی ناشتہ......'' عالی ہاتھوں میں ٹرے اُٹھائے ہم دونوں کے پیچھے کھڑی تھی۔

''تم کب آئی......؟'' نبیل نے عالی سے پوچھا۔

''جب آپ نے کہا تھا بی بی نے مجھے سب بتا دیا ہے۔'' عالی نے ناشتے والی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا اور مزید کچھ کہے وہاں سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

جمعہ کی رات کو میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا سوچ رہا تھا آج عارفہ بھی تنویر کی ہو گئی اور میں......؟ نانی میرے کمرے میں داخل ہوئیں میں نے آنکھیں موند لیں۔

''خالی آنکھیں بند کرنے سے نیند نہیں آتی مہروز بیٹا!'' نانی نے کرسی کو میرے پلنگ کی طرف گھسیٹتے ہوا کہا تھا نانی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''تم دیکھنا میں تمھارے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔''

اس سے ملتی جلتی لائنز میں دو دفعہ پہلے بھی نانی کے منہ سے سُن چکا تھا میں نے آنکھیں کھول کر نانی کی طرف دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھیں۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔'' نانی کا دائیاں ہاتھ میرے گال پر تھا میں نے مایوسی سے جواب دیا:

''ایسا اچھا میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے......؟'' نانی سوچ میں پڑ گئیں نانی کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں تھا یا انھوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے جانے لگیں میں نے اُنھیں ہاتھ سے پکڑ لیا وہ بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر ہم دونوں میں خاموشی رہی پھر نانی خود ہی مجھے تفصیل بتانے لگیں:

''یہ میرا فیصلہ تھا...... تمھارا گھر بسانے کے لیے میں کلثوم کا گھر اُجاڑ نہیں سکتی تھی۔ اگر عارفہ اور تنویر کا نکاح نہ کرواتی تو شبیر کلثوم کو طلاق دے دیتا۔'' نانی نے توقف کیا تو میں جلدی سے بول پڑا:

''اب کیا گارنٹی ہے کہ شبیر کلثوم باجی کو اور تنویر عارفہ کو طلاق نہیں دے گا......؟'' نانی کے ہونٹوں پر سنجیدہ مسکراہٹ ابھری اور وہ کہنے لگیں:

''اب تو وہ دونوں بھائی طلاق کا لفظ بھی اپنی زبان پر لانے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے۔'' میں نے سوالیہ

نظروں سے نانی کو دیکھا۔

''شبیر اور تنویر کے پلاٹ حق مہر میں لکھوائے ہیں میں نے۔''

''کس کے حق مہر میں......؟'' میں نے عُجلت میں پوچھا۔

''شبیر کا پلاٹ کلثوم کے حق مہر میں اور تنویر کا عارفہ کے۔''

''پلاٹ حق مہر میں لکھوانے سے خوشی تھوڑی ملتی ہے......؟''

''لائی لگ لڑکے ہی بیوی کے پیچھے لگتے ہیں اور ایسے مردوں پر ہی تو بیویاں حکومت کرتی ہیں۔'' نانی کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی میں بھی اُبل پڑا:

''میں بھی تو لائی لگ ہوں! آپ نے بچپن سے میرے دماغ میں یہ بات ڈالی تھی کہ ثانیہ اور تمھاری جوڑی بڑی اچھی لگے گی میں ثانیہ سے محبت کرنے لگا پھر آپ نے کہا: میں نے تمھارے لیے ایک بہت ہی پیاری لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے اپنی بسما اور میں بے وقوف بسما پر دیوانہ ہو گیا۔ بسما کے نکاح کے بعد آپ نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے بتایا: عارفہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے اور وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے۔ آپ کے منہ سے یہ سُن کر میں بھی عارفہ کو چاہنے لگا اب آپ عارفہ کا نکاح تنویر سے کروانے کے بعد مجھے پھر سے نیا لارا (اُمید) دے رہی ہیں، تم دیکھنا میں تمھارے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔ بس نانی بس! اب مجھے آپ کی کسی بات پر یقین نہیں ہے۔'' میں نے جذباتی ہو کر نانی سے بدتمیزی کر دی اور خود غصے سے اُٹھ کر پھر سے چھت پر چلا گیا نانی کے گھٹنوں میں درد رہتا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ چھت پر نہیں آ سکتیں۔

☆......☆......☆

میں چھت پر غصے سے ٹہل رہا تھا دو بچوں نے مجھے آ کر اطلاع دی کہ نبیل بھائی آپ کو بلا رہے ہیں میں چھت کے رستے نبیل کے گھر چلا گیا۔ میرے ابّو اور نبیل کے ابا سیڑھیوں کے پاس ہی کوئلوں کی انگیٹھی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نبیل کے ابا مجھے دیکھ کر کہنے لگے:

''عالی نبیل کے ساتھ ساتھ تمھاری بھی بہن ہے جاؤ نبیل کا ہاتھ بٹاؤ کل سے غائب ہو۔'' نبیل کے ابا کے لہجے میں شکوے کے ساتھ حکم بھی تھا۔

”پریشان ہے بیچارہ۔“ وہاں سے جاتے ہوئے ابو کی آواز بھی میرے کان میں پڑی تھی۔ صحن میں ہی مجھے نبیل مل گیا اُس نے مجھے گلی میں سے حلیم کی دیگ لانے کا کہا۔ میں نائی کے ساتھ قینچی کی مدد سے دیگ اُٹھائے گھر میں داخل ہوا ہی تھا نبیل نے مجھے اگلا حکم دے دیا:

”مہروز تم دیگوں پر بیٹھو میں کھانا لگاتا ہوں۔“ میں دیگوں پر ابو اور نبیل کے ابا سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا نبیل اور اُس کی بھابھی اپنے چند کزنوں کی مدد سے مہمانوں کو کھانا کھلانے لگے۔ میرے سامنے چکن حلیم، مٹن قورمہ اور کشمیری چائے کی تین دیگیں پڑی ہوئی تھیں۔

”بی بی جی نے دو گھروں کو برباد ہونے سے بچالیا۔“ نبیل کے ابا کی آواز مجھے سنائی دی وہ ابو کے ساتھ سب سے بے نیاز گپ شپ میں ہی مصروف تھے۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو لالہ جی...... بھائی ساجد نے تو کلثوم کی طلاق کا ذہن بنالیا تھا......وہ ہر حال میں عارفہ کا نکاح مہروز سے کروانا چاہتے تھے پھر بی بی جی نے ہم سب کو سمجھایا کہ ایسا مت کرو اور یہ فیصلہ مجھے کرنے دو۔“

”سُنا ہے کہ حق مہر میں پلاٹ لکھوائے ہیں بی بی جی نے۔“ میرے کان اُن دونوں کی طرف تھے۔ نبیل کے ابا نے ابو سے پوچھا تھا۔

”قورمہ پورا ہو جائے گا۔“ نبیل نے میرے سامنے قورمے کی پرات کرتے ہوئے پوچھا، میں جلدی سے دیگ میں سے قورمہ نکال کر خالی پرات میں ڈالنے لگا۔

”حلیم کو تو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا رہا سب قورمے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔“ نبیل نے وہاں سے جاتے ہوئے کہا تھا۔

”ویسے ماجد ایک بات ہے پتر تیرا ہے بڑا شریف۔“ نبیل کے ابا نے کہا ابو یہ سُن کر فخر سے مسکرائے اور پھر میری طرف بڑی محبت سے نگاہ ڈالی میں انجان بن گیا اور جلدی سے کشمیری چائے کی دیگ چیک کرنے لگا کہ کہیں وہ ٹھنڈی تو نہیں ہوگئی۔ نائی نے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا اُس نے دیگیں رکھنے سے پہلے اُن کے نیچے کوئلے رکھے تھے۔ کھانے کے بعد کشمیری چائے کا دور چل پڑا۔ رات دس بجے کے لگ بھگ عالی کے مایوں کا کھانا ختم

ہوا تھا۔سب کام ختم کرنے کے بعد میں اور نبیل حسب معمول چھت پر چلے گئے۔

☆......☆......☆

''شکر ہے یار، قورمہ پورا ہو گیا۔ ابا جی نے مجھے کہا بھی تھا نبیل پُتر حلیم کون کھاتا ہے یہاں لوگ گوشت کھاتے ہیں گوشت۔ دونوں دیگیں قورمے کی بنوالو میں نے ضد کر کے چکن حلیم کا پنگا لیا تھا۔''

''برات پر کیا پکانے کا ارادہ ہے۔'' میں نے نہ جانے کیوں پوچھ لیا تھا حقیقت میں مجھے عالی کی شادی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنی شادی نہ ہونے پر نہ جانے کیوں مجھے عالی سے جلن سی محسوس ہو رہی تھی۔ عالی کا خیال آتے ہی مجھے ایک خیال اور آیا تھا کہ میں نے تو آج عالی کو دیکھا ہی نہیں ہے۔

''بھائی دودھ'' عالی کو یاد کیا تو وہ شیطان کی طرح حاضر ہو گئی۔

''دودھ تو سارا دیگ میں ڈال دیا تھا۔'' نبیل عالی کی طرف دیکھ کر حیرانی میں بولا، ساتھ ہی اُس نے ٹرے سے اپنا پیالہ اُٹھا لیا۔

''میں نے آپ دونوں کے لیے پہلے سے نکال لیا تھا۔'' عالی نے میرے سامنے ٹرے کرتے ہوئے مجھ پر اِک نظر ڈالتے ہوئے کہا میں نے ایک لمحے اُسے دیکھنے کے بعد فوراً ہی اپنی نگاہ کو قابو میں کیا۔ نبیل نے گرم دودھ کی چُسکی لینے کے بعد کہا:

''بہن ہو تو تمھارے جیسی......اللہ تجھے اپنے گھر خوش رکھے۔''

''آمین......'' میرے منہ سے بھی بے ساختہ نکل گیا عالی ہمیشہ کی طرح دودھ دینے کے بعد فوراً ہی جانے لگی۔

''سب مہمانوں کو بستر مل گئے ناں......؟''

''جی بھائی......سب سو بھی گئے۔''

''تو بھی جا کے سو جا۔'' نبیل نے بڑی محبت سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی رات عالی کی تیل مہندی تھی۔ نانی سمیت ہم سب گھر والے نبیل کے گھر پر موجود تھے۔ عالی پیلے لباس

میں ملبوس ایک جھولے پر بیٹھی ہوئی تھی۔عالی کے ہاتھوں میں گلاب اور موتیے کے گجرے تھے اور بالوں میں گیندے اور موتیے کے پھول سجے ہوئے تھے، پھولوں کے اوپر اُس کے سر پر ایک پتلا سا دوپٹہ تھا اور اُس نے جو پیلا جوڑا پہنا ہوا تھا وہ بھی پتلا سا ہی تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی بارہ مہینے چادر میں لپٹی رہنے والی عالی کو کیا ہو گیا ہے، آج اتنے سارے لوگوں کے درمیان اُس کے سر پر صرف ایک پتلا سا دوپٹہ ہے؟ بس......

جب عالی سے نظر ہٹا کر اردگرد دیکھا تو سب عورتوں کا یہی حال تھا سخت سردی میں بھی سب عورتوں نے ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے سوئیٹرز اور گرم چادروں کے بغیر، یہ تو کچھ بھی نہیں، کچھ خواتین نے تو آدھے بازوؤں والی قمیضیں بھی پہن رکھی تھی۔

''یا اللہ......! شادی کے موقعے پر اِن عورتوں کو سردی کیوں نہیں لگتی۔'' میں نے دل میں سوچا تھا۔ خیر میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو عورتوں کا ذاتی معاملہ تھا۔

سب نے عالی کو مہندی لگائی اور منہ میٹھا کروایا جب میری باری آئی تو میں وہاں کھسک گیا نہ جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

برات کے کھانے کے لیے نبیل کے ابا نے ایک بہت بڑا بچھڑا خرید رکھا تھا۔ نبیل کے گھر کے پاس ہی ایک اسکول میں برات کے لیے کھانا تیار ہو رہا تھا۔ رات بھر میں اور نبیل براتیوں کے لیے کھانا تیار کرواتے رہے۔ نبیل کے ابا کو صرف ایک فکر تھی کہ کہیں کھانا کم نہ پڑ جائے...... صبح فجر کے بعد نبیل کے ابا اور اُن کے کچھ قریبی رشتے دار وہاں آئے۔

''شاباش پترو......! تم لوگ اب جا کے سو جاؤ...... دس بجے اُٹھ جانا پھر جنج (برات) کے بیٹھنے کا انتظام بھی کرنا ہے۔'' نبیل کے ابا نے مجھے اور نبیل کو شاباش دی ہم دونوں تھکے ہوئے تھے۔ نبیل کے گھر پر تو مہمانوں کا رش تھا میں نبیل کو اپنے ساتھ اپنے ہی گھر لے آیا ہم دونوں میرے کمرے میں سو گئے۔

☆......☆......☆

ہمارے گھر کے صحن میں ایک شور اُٹھا، میری آنکھ کھل گئی دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا تو ساڑھے آٹھ ہی

ہوئے تھے، نبیل کی طرف دیکھا تو وہ مزے سے سو رہا تھا۔ صحن کا شور چیخوں میں بدل گیا مجھے کچھ تشویش ہوئی میں آنکھیں ملتے ملتے اپنے بستر سے اُٹھا اور کمرے کا دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ دروازے کا تختہ میرے ماتھے پر زور سے لگا، میرا سر چکرا گیا آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ خلیل گجر ہاتھ میں پستول تھامے اندھیرے سے نمودار ہوا اور اُس نے آتے ہی مجھے گریبان سے پکڑ کر پستول کی نلی میری گردن پر رکھی دی۔

''اوئے بے غیرتا...... آستین کے سپ...... تجھے ہماری بہن ہی ملی تھی......'' میری آنکھوں سے اندھیرا ہٹا تو میں نے دیکھا میری دونوں بہنیں خلیل کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھیں اور میری امّی خلیل کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی تھی۔

''خلیل پتر معاف کر دے اِسے......''

''امّی جی! آپ کیوں معافی مانگ رہی ہیں۔'' مجھ سے اپنی ماں کا رونا نہیں دیکھا گیا نبیل کی آنکھ کھل گئی وہ میرا گریبان اپنے بھائی کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے چیخا:

''لالہ خلیل چھوڑ اِسے...... یہ میرا یار ہے......''

''یہ یار نہیں یار مار ہے...... پوچھ اِس بے غیرت سے......'' خلیل آنکھوں میں انگارے لیے گرجا۔

''کیا پوچھوں......'' نبیل میرے اور اپنے بھائی کے درمیان آتے ہوئے غصے سے چلایا۔

''اِس نے ہماری بہن کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

خلیل نے غصے سے نبیل کو دھکا دیا اُس دھکے کی وجہ سے میرا گریبان بھی خلیل کے ہاتھ سے چھوٹ گیا نبیل دیوار کے ساتھ گرا اور میں اپنے پلنگ پر خلیل نے مجھ پر پستول تان دی۔ اِس سے پہلے کہ خلیل کی چلائی ہوئی گولیاں مجھ تک پہنچتی عالی مجھ پر زرہ بن کر تن گئی دونوں گولیاں عالی کو لگیں۔

''اللہ کی قسم لالہ...... مہروز بے قصور ہے...... مہروز بے قصور ہے۔ یہ سب ظفرو نے کیا ہے۔'' عالی کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے۔

''عالی......'' عالی کے جسم سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر نبیل درد سے تڑپا اور فوراً اُسے اپنے بازوؤں میں اُٹھاتے ہوئے باہر کی طرف بھاگا۔ سب اُسی کے پیچھے بھاگے سوائے میرے اور خلیل کے خلیل بُت بنا کھڑا تھا

اور میں اُسے دیکھ رہا تھا خلیل کو تو چُپ سی لگ گئی تھی اور میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔

خلیل کی نظریں عالی کے خون پر تھیں جو فرش پر کئی جگہ بکھرا ہوا تھا اور میری نظریں چند منٹ پہلے والا منظر دیکھ رہی تھیں جب اُسی فرش پر میری دونوں بہنیں خلیل کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھیں اور میری ماں ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑی ہو کر ہاتھ جوڑے خلیل سے میری زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ خلیل نے اب بھی پستول کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا میں اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اُس کا پستول والا ہاتھ تھام کر وہ پستول اور سینے پر لگائے ہوئے کہنے لگا:

''خلیل لالہ دو گولیاں میرے سینے بھی مار دو......اُس بے قصور کو تو تم نے مار ڈلا۔'' خلیل زور سے چیخ مارتے ہوئے وہاں سے بھاگا:

''عالی......'' میں نے دروازے سے نکلتے ہوئے خلیل کو دیکھو تو میری نانی پر نظر پڑی جو دروزے کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی تھیں اُنہوں نے میرے ماتھے سے بہتے ہوئے خون پر اپنا دوپٹہ پھاڑنے کے بعد رکھا۔ دروازہ لگنے سے میرے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا جس کی مجھے خبر ہی نہیں تھی میرے ماتھے سے خون کا ایک قطرہ فرش پر گرا عالی کے خون کے اُوپر......

☆......☆......☆

ماتھے کی مرہم پٹی کے بعد میں ہسپتال جانے لگا تو امّی نے مجھے روک لیا:

''مہروز تم ہسپتال مت جاؤ......خلیل تمھیں بھی قتل کر دے گا۔''

''عائشہ جانے دو اِسے۔'' نانی نے امّی کو حکم دیا۔

''کیسے جانے دوں ماں جی! میرا ایک ہی بیٹا ہے۔''

''جس نے اِس کے حصے کی گولیاں اپنے جسم پر کھائی ہیں وہ بھی تو اکلوتی ہے۔'' نانی نے میری طرف دیکھ کر مجھے کہا:

''تم جاؤ مہروز۔'' میں جانے ہی لگا تھا کہ ابو جی پھولی ہوئی سانس کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئے مجھے غور سے دیکھنے کے بعد محبت کے ساتھ سینے سے لگا لیا پھر میرے ماتھے کی چوٹ کو دیکھنے لگے اُس کے بعد میرے

سارے جسم کا جائزہ لیا، جب اُن کو تسلی ہوگئی کہ مجھے صرف ماتھے پر ہی چوٹ لگی ہے پھر ایک زوردار تھپڑ میرے گال پر مارنے کے بعد پوچھنے لگے:

''تم نے عالی کے منگیتر کو خط کیوں لکھا......؟'' یہ سننے کے بعد میں دنگ رہ گیا تھا میں نے ابّو سے اپنی صفائی میں صرف اتنا کہا:

''میں نے کوئی خط نہیں لکھا۔''

''مہروز جھوٹ مت بولو دو دفعہ تم نے اُس لڑکے کو فون کیا تھا اُس نے تمھاری بات پر یقین کرنے سے انکار کردیا تو پھر تم نے اُسے خط لکھا میں وہ خط خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہا ہوں۔''

''کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ ہوتا ہے۔'' نانی نے کہا:

''ٹھیک کہہ رہی ہیں بی بی جی آپ۔'' ابو نے نانی کی بات سے اتفاق کرنے کے بعد میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے کہا:

''تم بھی ہسپتال سے ہو آؤ۔'' ابو یہ بول کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگے تو نانی نے فکر مندی سے پوچھا:

''ماجد بیٹا! عالی کیسی ہے......؟''

''بی بی جی! ڈاکٹر بتا رہا تھا کہ جان بچ جائے گی اُس کی۔'' ہم سب گھر والوں کی جان میں جان آئی خاص طور پر میری بہنوں کی جو گھر کے ایک کونے میں سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ ابو جی اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولے:

''اب چلے بھی جاؤ......''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں اُسے ہسپتال کیوں بھیج رہے ہیں۔'' امّی نے ابّو کے پیچھے جاتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

''مہروز بے قصور ہے۔''

''پھر اُسے تھپڑ کیوں مارا۔''

''محبت میں......'' اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے آخری بات ابّو کی مجھے سنا دی۔

''محبت میں......'' نانی نے ذہین مسکراہٹ کے ساتھ لفظ کے الفاظ دہرائے جیسے وہ سب کچھ سمجھ گئی ہوں مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی میں سوچ میں پڑ گیا۔

''کون عالی کے منگیتر کو فون کرتا تھا اور کس نے خط لکھا تھا۔ عالی نے تو ظفرو کا نام لیا تھا۔''

☆......☆......☆

میں ہسپتال پہنچا تو کوریڈور میں ہی مجھے عالی کا تقریباً سارا خاندان نظر آ گیا تھا، عالی کے سسرال میں سے بھی چند لوگ وہاں موجود تھے۔

خلیل مجھے دیکھ کر میری طرف خود ہی آ گیا اور مجھے ایک کونے میں لے جاتے ہوئے بولا:

''سب پتہ چل گیا ہے...... یہ کس کی شرارت تھی۔'' میں نے حوصلہ کر کے پوچھا:

''کس کی......؟''

''یہ پتہ نہیں چلا۔'' خلیل نے بھولی صورت بناتے ہوئے جواب دیا۔ میں اُس کی عقلمندی پر دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔

''برات کا کھانا میں نے گوجرانوالہ بھجوا دیا ہے جیسے ہی عالی ٹھیک ہوتی ہے ہم انور اور عالی کا نکاح بھی کر دیں گے۔''

''لالہ اب عالی کا نکاح انور کے ساتھ نہیں ہوگا'' نبیل نے خلیل کے سامنے آتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا تھا

''کیا بکواس کر رہا ہے تو......'' خلیل غصے میں بھڑک اُٹھا تھا۔

''تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔'' خلیل کی گھن گرج سے سارے رشتے دار اکٹھے ہو گئے تھے۔

''لالہ دماغ تو میرا خراب ہو گیا ہے۔ یہ سب تیرے سالے کا کیا کرایا ہے۔ اگر وہ میرے سامنے آ گیا تو میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔'' نبیل نے چیخنے کی بجائے رعب دار آواز میں کہا تھا۔

''کیوں شور مچایا ہوا ہے خلیل!'' نبیل کے ابا جی نے وہاں آنے کے بعد پہلا سوال یہی پوچھا تھا۔

''ابا جی یہ کہتا ہے...... عالی کا نکاح انور کے ساتھ نہیں ہوگا۔'' خلیل نے شکایتی انداز میں اپنے ابا جی کو بتایا۔

"کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا اُس نے...... پڑھا لکھا ہے تیری طرح ڈنگر (جانور) نہیں......آدھی بات سُن کر ہی پستول لے کر نکل پڑا تھا......دعا کر میری دھی بچ جائے اگر اُسے کچھ ہو گیا تو باقی گولیاں میں تیرے سینے میں ماروں گا۔" نبیل کے اباجی نے بڑے ضبط کے ساتھ یہ بات کہی تھی وہ سب کے سامنے رونا نہیں چاہتے تھے۔

نبیل اپنے اباجی کو وہاں سے لے گیا باقی رشتے دار بھی دائیں بائیں ہو گئے آخر میں خلیل اور میں ہی وہیں کھڑے تھے یہ دیکھ کر بھابھی صغریٰ جلدی سے وہاں آئی اور آتے ہی سرگوشی کے انداز میں خلیل سے کہنے لگی:

"دماغ تو تیرا خراب ہو گیا ہے خلیل......اچھا ہی ہے جو عالی کی برات نہیں آئی۔ اب دیکھتی ہوں کہاں بیاہتے ہیں عالی کو......"

"تو اپنی بک بک بند کر تیرا بھائی اتنا بے غیرت ہوگا یہ میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔" خلیل نے صغریٰ کو گھوری ڈالی۔

"آنکھیں مت دکھا بات کو سمجھ......گوجرانوالہ عالی کی شادی نہیں ہوگی تو کس سے ہوگی......؟"

"کس سے ہوگی؟" خلیل نے پوچھا۔

"ظفرو سے" صغریٰ نے اپنے بھائی ظفر کا نام لیا تو خلیل کی آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

"مہروز تیرے لالے کو بات دیر سے سمجھ آتی ہے۔" صغریٰ بھابھی نے میری طرف دیکھ کر کہا تھا۔ جیسے ہی صغریٰ بھابھی نے خلیل کی طرف دیکھا تو خلیل نے ایک زور کا تھپڑ صغریٰ بھابھی کے گال پر رکھ دیا۔

"سب سمجھ گیا ہوں میں۔" خلیل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ صغریٰ بھابھی حق دق اپنے گال پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے کھڑی تھی۔ اِس سے پہلے کہ میں صغریٰ بھابھی کو کوئی تسلی دیتا۔

"مہروز......"

نبیل نے مجھے دُور سے آواز دی تھی ہم تینوں نے نبیل کی طرف دیکھا تھا میں نبیل کی طرف جانے لگا تو صغریٰ بھابھی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے مجھ سے درخواست کی:

"نبیل سے کچھ مت کہنا مہروز!"

''جی بھابھی!'' میں نے یہ کہا اور نبیل کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

''کیوں مجھ سے چھپتے پھر رہے ہو......تم نے عالی کے بارے میں بھی نہیں پوچھا۔'' نبیل نے کوریڈور سے باہر نکلتے ہی مجھے کہا تھا میری سچ میں ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ میں نبیل سے نظریں ملا سکوں میں خاموش ہی رہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم بے قصور ہو......؟'' یہ سننے کے بعد میں نے نبیل کی طرف دیکھا تھا اُس نے مجھے آنکھوں سے حوصلہ دیا پھر ایک کاغذ اپنی جیب سے نکال کر میرے سامنے کیا میں نے کاغذ تو پکڑ لیا مگر اُسے کھولا نہیں۔

''عالی کیسی ہے......؟''

''بڑی جلدی عالی کا خیال آ گیا۔'' نبیل کے جملے میں طنز بھی تھا میں نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا:

''میں نے عالی کے لیے بہت دعائیں مانگی ہیں۔''

''کس حیثیت سے......؟'' میں نبیل سے کسی ایسے سوال کی اُمید نہیں رکھتا تھا میرے پاس اُس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔

''خطرے سے باہر ہے ایک گولی بازو پر لگی اور دوسری ٹانگ پر۔ آپریشن ہو چکا ہے ابھی اُسے ہوش نہیں آیا۔'' نبیل نے غم میں ڈوبی آواز میں تفصیل بتائی ہم دونوں کے درمیان تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

''یہ کاغذ کھولو......''

جب میں نے اُس کاغذ کو کھولا تو میں ششدر رہ گیا اُس کاغذ پر تاریخ تھی 20 دسمبر 1998 الأحد=Sunday

''20 دسمبر تو تمھاری ڈیٹ آف برتھ ہے نا۔'' نبیل نے مجھے مشکوک نظروں کے ساتھ دیکھا وہ پتہ نہیں بتا رہا تھا یا پوچھ رہا تھا۔ میں نے فوراً مان لیا:

''یہ تو میری ڈائری کا کاغذ ہے......یہ ڈائری مجھے عارفہ نے گفٹ کی تھی۔''

''عارفہ......وہ کیوں ایسا کرے گی......؟''

''میں نے اُس کا TV توڑا تھا۔'' میرے منہ سے نکل گیا نبیل نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا پھر حکمیہ انداز میں کہنے لگا۔

''خط پڑھو......''

انور صاحب!

''میرا نام مہروز ماجد ہے اور میں عالیہ کا پڑوسی ہوں۔ آپ کو دو دفعہ فون کیا مگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔ اِس لیے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ کو آخری بار پھر سے بتا رہا ہوں کہ میرا عالیہ کے ساتھ چکر ہے آپ اُس سے شادی مت کرو۔

''یہ میں نے نہیں لکھا......نہ ہی میں نے انور کو کوئی فون شون کیا تھا۔'' میں نے فکرمندی سے اپنی صفائی دی۔

''تمھاری ہینڈ رائٹنگ کو پہچانتا ہوں۔'' نبیل نے یقین سے بتایا۔ میں ہینڈ رائٹنگ پر غور کرنے لگا تو میرے ہوش ہی اُڑ گئے۔ ''یہ تو ثانیہ کی ہینڈ رائٹنگ ہے۔'' میرے منہ سے پریشانی میں یہی الفاظ نکل سکے تھے۔

''ثانیہ کی......؟''

''ہاں ثانیہ کی......میرے پاس اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے......تم اُس سے Tele کر کے دیکھ سکتے ہو۔''

''ڈائری عارفہ نے دی......لکھا ثانیہ نے......'' نبیل خود کلامی کرتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے فٹ سے یاد آیا:

''ایسی ہی ایک ڈائری میں نے بسما کو بھی گفٹ کی تھی''

''میرے منع کرنے کے باوجود'' نبیل نے ایسے کہا جیسے طعنہ دے رہا ہو۔

''تمھارے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ یہ پیج بسما کی ڈائری سے نکالا گیا ہے اور لکھا ثانیہ نے ہے۔'' نبیل کسی نتیجے پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ عارفہ نے ڈائری دینے سے پہلے ہی Page نکال لیا ہو......'' میں نے قیافہ لگایا۔

”یہ بھی ممکن ہے......“ نبیل نے فوراً میرے قیافے کی تائید کی۔

”مجھے دو یہ خط......“ میں نے وہ خط نبیل کو دے دیا، نبیل نے کاغذ کا وہ حصہ پھاڑ دیا جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کاغذ کسی ڈائری کا Page ہے۔

”کسی سے ذکر مت کرنا کہ یہ ڈائری کا کاغذ ہے، اب یہ صرف ایک خط ہے......ثانیہ کی رائٹنگ کا بھی ذکر مت کرنا......مجھے سب سمجھ آ گئی ہے کہ کس نے ڈائری سے کاغذ پھاڑا اور کیوں پھاڑا......؟“ نبیل یہ بول کر وہاں سے چلا گیا جبکہ میں ابھی تک سوچ کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔

”کیا میری تینوں محبتوں نے مل کر مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے......میں نے تو کبھی اُن تینوں کا بُرا نہیں چاہا تھا......پھر کیوں انھوں نے میرے ساتھ ایسا کیا......؟“ میں اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ نبیل نے مجھے تھوڑی دور سے آواز دی میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا میں اُس کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

رات ہو چکی تھی، ہسپتال کے ایک روم کے باہر کھڑے ہو کر نبیل مجھے سمجھانے لگا:

”اماں ابا عالی سے مل چکے ہیں......اب اُس نے ہمیں بلایا ہے......“ میں نے جلدی سے نبیل کی بات کاٹی تھی۔

”مجھے کیوں بلایا ہے......؟“ نبیل نے مجھے گھوری ڈالی پھر اچھے موڈ کے ساتھ اُس کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے:

”نالائق للو......“ نبیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور روم کے اندر لے گیا۔

سب سے پہلے تو اُس نے ہسپتال کا روم اندر سے Lock کیا پھر وہ عالی کے پاس چلا گیا میں اُس کے پیچھے تھا اُس نے بڑی محبت سے عالی کا ماتھا چوما، عالی جو کچھ سہمی ہوئی تھی اُسے حوصلہ مل گیا پھر اُس نے عالی کے ہاتھ پر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا ہاتھ رکھا، عالی کی ہتھیلی کی پچھلی طرف ڈرپ کی سوئی لگی ہوئی تھی۔ نبیل عالی کے پاس Banch پر بیٹھ گیا۔

”تم اپنے دل کی بات صرف ایک بار مجھے بتا دیتی۔“ نبیل نے شکایتی انداز میں کہا۔ عالی کے چہرے کی رنگت اُڑ گئی، وہ جو نبیل کی طرف دیکھ رہی تھی اُس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا چند منٹ ہسپتال کے روم میں سناٹا رہا پھر نبیل نے بڑی محبت کے ساتھ عالی کا چہرہ ہماری طرف کیا عالی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”اب کیوں رو رہی ہو......؟“ نبیل عالی کے آنسو دیکھ کر تڑپ اُٹھا تھا، نبیل کے بھی آنسو نکل آئے تھے۔

”عالی کی تو سمجھ آتی ہے کہ اُس کی برات نہیں آئی...... یہ نبیل کیوں رو رہا ہے۔“ اُس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا۔ اِس سے پہلے کہ مجھے اور خیال آتے عالی نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا:

”Sorry بھائی۔“ عالی کے یہ بولنے کی دیر تھی نبیل اُٹھ کر لیٹی ہوئی عالی کے گلے لگ گیا دونوں بہن بھائی پھر سے رونا شروع ہو گئے۔

”کتنا روؤ گے تم دونوں...... بس بھی کرو......“ مجھے دوسرا خیال آ گیا۔ چند لمحوں بعد نبیل اُٹھا پہلے اُس نے ٹشو پیپر سے عالی کے آنسو صاف کیے پھر اپنے آنسو صاف کرتا ہو میری طرف آیا میں کھڑا ہی تھا۔ نبیل نے میرے کندھے پر بڑے مان کے ساتھ ہاتھ رکھا اور پوچھنے لگا:

”تمھیں ابھی تک چوتھی محبت تو نہیں ہوئی ہو گی......؟“ میں نبیل کی بات سُن کر شرمندہ ہو گیا تھا کیونکہ اُس نے یہ سوال عالی کے سامنے ہی پوچھ لیا تھا۔ میں نے چور نگاہوں سے عالی کی طرف دیکھا وہ زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔

”اُدھر مت دیکھو اور میرے سوال کا جواب دو۔“ نبیل نے روکھے لہجے میں کہا میں اُس کے سوال کا کیا جواب دیتا میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔

”اگر تم عالی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو...... بی بی جی کے ساتھ اپنے امی ابو کو رشتہ مانگنے کے لیے ہمارے گھر بھیجو!“

نبیل نے دوٹوک انداز میں کہا تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اُس وقت اُسے کیا کہوں میں پریشان تھا میں نے ایک بار پھر سے عالی کی طرف دیکھا جو ہم دونوں ہی کی طرف دیکھ رہی عالی نے لمحہ بھر ہی میری آنکھوں میں دیکھا ہو گا پھر مسکراتے ہوئے نظریں جھکا لی تھیں۔

میری نظریں تو اُس وقت اپنے لکھے ہوئے مسودے پر تھیں پر مجھے دکھائی عالی ہی دے رہی تھی۔ میں نے پیچھے لکھا تھا کہ میں آج بھی بسما کے ہاتھ کا لمس اپنے ہاتھ پر محسوس کرتا ہوں۔

میں اُس سے بھی عجیب بات کرنے لگا ہوں میں آج بھی ہسپتال کے بستر پر پڑی ہوئی عالی کی نظروں کا سحر اپنے سارے وجود پر محسوس کرتا ہوں۔

''بہت رات ہوگئی ہے چلیں اب سو جائیں۔'' میرے کندھے پر میری بیگم کا ہاتھ تھا میں نے پلٹ کر دیکھا ثانی کھڑی ہوئی تھی۔

جی ہاں...... ثانی ...... ثانیہ عرف ثانی میری خالہ کی بیٹی میری پہلی محبت...... ثانی نے میرا ہاتھ تھاما اور اسٹڈی روم سے مجھے اپنے ساتھ ہمارے بیڈروم میں لے گئی۔ رات کے پچھلے پہر میں اور ثانی اپنے بیڈ پر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے لیٹے ہوئے تھے۔

''آپ آج بھی سب سے زیادہ عالی ہی سے محبت کرتے ہیں اسی لیے میں اُسے آپکی محبوبہ نمبر 1 کہتی ہوں۔'' ثانی نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''کتنی بار بتا چکا ہوں...... محبت میں فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ نہیں ہوتے۔''

''ہوتے ہیں کیوں نہیں ہوتے...... عالی فرسٹ پوزیشن پر بسما سیکنڈ اور عارفہ کی تیسری پوزیشن ہے۔ آپ کی محبت کی کتاب میں'' ثانی نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''میری محبت کی کتاب تم نے اپنی محبت سے خرید لی ہے ثانی!'' میں نے ثانی کے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی الفت سے اُسے بتایا تھا۔ میں تو خاموش ہوگیا اب ثانی، مجھے ماضی کے بارے میں بتانے لگی:

''آپ کو یاد ہے...... جب آپ نے میری اُسی کٹی ہوئی تصویر پر گلاب کی کلی رکھی تھی۔ جیسے ہی آپ کمرے سے نکل کر گئے تو میں نے وہ کلی غصے سے باہر کی طرف پھینکی تھی وہ کلی اُس وقت عالی کے قدموں میں جا کر گری تھی۔ عالی نے اُسے بڑی محبت سے اُٹھایا اور چلتی ہوئی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور مجھے سمجھاتے ہوئے کہنے لگی:

''ثانیہ مہروز تم سے بڑی محبت کرتا ہے...... تم اُس سے شادی کرلو۔'' مجھے عالی کی بات پر غصہ آ گیا۔

''تم کرلو نہ اُس فقرے سے شادی۔'' میں نے ڈانٹتے ہوئے عالی سے کہہ دیا تھا۔ عالی میری ڈانٹ کے

باوجود بھی ہلکا سا مسکرائی پھر کہنے لگی:

’’ثانیہ تمھیں مہروز کی محبت نظر نہیں آتی اور اُسے میری......وہ تمھیں بچپن سے چاہتا ہے اور میں اُسے......‘‘میں یہ سُن کر چونک گئی تھی میں نے حیرت کے عالم میں عالی سے پوچھا:

’’تمھیں مہروز نے بتایا ہے یہ سب یا تم نے خود پوچھا ہے......؟‘‘

’’میں تو اُسے اپنی محبت کے بارے میں بتا نہیں سکی جی اُس سے کیا پوچھوں گی۔‘‘عالی نے ہار مانتے ہوئے اقرار کیا تھا۔

’’پھر تم سب یہ کیسے جانتی ہو......؟‘‘میرا عالی سے اگلا سوال یہ تھا۔

’’مہروز اور بھائی روز رات کو اپنے اپنے قصے ایک دوسرے کو سناتے ہیں......میں سیڑھیوں پر بیٹھ کر اُن دونوں کی باتیں سُنتی رہتی ہوں میں نے آج تک مہروز کی زبان سے کسی دوسری لڑکی کا نام تک نہیں سُنا۔‘‘

’’مجھے نہ مہروز میں انٹرسٹ ہے نہ ہی اُس کی محبت میں۔ تمھارے پاس موقع اچھا ہے جاؤ جا کے اپنے دل کی بات اُس سے بول دو۔‘‘یہ سُن کر عالی کا چہرہ اُتر گیا تھا، وہ بڑی عاجزی سے کہنے لگی:

’’پلیز ثانیہ مان جاؤ۔‘‘

’’کیسے مان جاؤں......امتیاز کا اپنا بنگلہ ہے......گاڑی ہے۔ مہروز کے پاس کیا ہے۔‘‘

’’شوہر بُرا ہو تو گاڑی بنگلے کا کیا کرنا۔‘‘

’’تم لے لو یہ اچھا شوہر۔‘‘میں نے عالی پر بھڑکتے ہوئے اُسے کہا تھا وہ اُداس سی ہو گئی جیسے میں نے اُس کا دل توڑ دیا ہو وہ کمرے سے جانے لگی تو میں نے اُسے آواز دی:

’’عالی! ایک بات پوچھوں......؟‘‘عالی نے مجھے آنکھوں سے بولنے کا اشارہ کیا۔

’’تم نے آج تک مہروز سے اپنے دل کی بات کیوں نہیں کی۔‘‘

’’اس لیے کہ اُس کے دل میں بچپن ہی سے تم ہو......مجھے پتہ تھا کہ وہ آج تمھیں گلاب کی کلی دے کر اپنی محبت کا ایک بار پھر اظہار کرے گا میں نے اپنے لیے ہی یہ گلاب کی کلی منگوائی تھی اُس نے مجھ سے چھین کر تمھیں دے دی اور تم نے اِسے پھینک دیا۔‘‘

''اب یہ کلی اُسے دے دو......وہ سمجھ جائے گا۔''میں نے عالی کو مشورہ دیا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرائی پھر کہنے لگی:

''پھینکی ہوئی کلی اُسے دوں......؟''اُس وقت عالی کے سوال نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔میں نے جلدی سے بات بدلی:

''تم ایسے کرو ابھی اُسے جا کر اپنے دل کا حال سُنا دو۔''میں نے عالی کو مشورہ دیا تھا۔وہ مجھے کہنے لگی:

''وہ تمھاری محبت میں بہرہ ہو چکا ہے۔''

''اندھا تو نہیں ہوا ابھی......''عالی یہ سُن کر تڑپ اُٹھی اُس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

''اللہ نہ کرے......''

''تم ایسے کرو اُسے ایک خط لکھو......''یہ سُننے کے بعد عالی سوچ میں پڑ گئی پھر تمھارے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔آخر میں اُس نے تمھاری الماری کھولی جس میں دو نئی ڈائریاں پڑی ہوئی تھیں وہ انہیں نکال لائی اور میرے سامنے تمھارے بستر پر بیٹھتے ہوئے ایک ڈائری میں سے 20 دسمبر والا Page نکال لیا۔

''20 دسمبر والا Page کیوں نکالا......؟''میں نے فٹ سے پوچھا۔

''اُس پر خط لکھوں گی۔''مجھے عالی کی بات پر حیرانی سی ہوئی۔

''مطلب لَو لیٹر......؟''عالی نے معصومیت سے گردن کو ہاں میں ہلایا تھا۔

''اِس پر کیوں......؟''

''میں اور مہروز 20 دسمبر کو ہی پیدا ہوئے تھے ایک سال کے وقفے سے......''

''مہروز کو پتہ ہے یہ بات......''میں نے فوراً پوچھا عالی نے ناں میں گردن ہلائی تھی۔

''نبیل بھائی کو پتہ ہے۔''عالی نے وہ ڈائری کا کاغذ فولڈ کیا گلاب کی کلی تھامی اور کمرے سے چلی گئی۔ثانی خاموش ہوئی تو میں نے جلدی سے پوچھا:

''یہ بھی لکھ دوں......''

''پتہ نہیں کیا کیا لکھتے جا رہے ہیں......؟''

ثانی نے ترش لہجے میں کہا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

☆......☆......☆

اگلی رات میں پھر سے اپنا مسودہ لے کر بیٹھ گیا:

میں ہسپتال سے گھر کی طرف جا رہا تھا تو سارے علاقے میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ خلیل کے سالے ظفرو نے عالی کا رشتہ تڑوانے کے لیے انور کو دوبارہ فون کیا اور پھر اُسے خط بھی لکھا اور اِس کام میں اُس کی بہن صغریٰ نے اُس کا ساتھ دیا تھا۔ کچھ لوگ تو خلیل کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ میں گلی کی نکڑ مڑنے لگا تھا کہ اچانک میرے سامنے ظفرو آ گیا۔

''تم یہاں۔۔۔'' میں ظفرو کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔

''یار مہروز بادشاہ! رب دی قسمیں میں نے خط نہیں لکھا اور نہ ہی میں نے کوئی فون شون کیا ہے پر میری بات پر کوئی یقین کرنے کو تیار ہی نہیں ہے۔'' میں نے ارد گرد دیکھا کوئی نہیں تھا۔

''ظفرو تو چند دنوں کے لیے غائب ہو جا۔ نبیل کا دماغ گھوما ہوا ہے۔ اُس کے سامنے تو بھول کر بھی مت جانا نہیں تو اُس نے تجھے اُڑا دینا ہے۔'' گلی کی دوسری طرف سے چند لوگوں کے آنے کی آواز آ رہی تھی میرا دھیان اُس طرف گیا تھا واپس دیکھا تو ظفرو بیچ میں ہی غائب ہو چکا تھا۔

مجھ پر بھی چند لوگوں کو شک تھا۔ جن کو مجھ پر شک تھا اُن کو جواب دینے والوں کے پاس ایک مضبوط دلیل یہ بھی تھی کہ اگر مہروز نے خط لکھا ہوتا تو وہ اپنا نام تھوڑی خط پر لکھتا۔ جتنے منہ اُتنی باتیں سب نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بات کی تھی۔ چند دنوں بعد عالی ہسپتال سے گھر شفٹ ہو گئی۔

☆......☆......☆

عالی کے ہسپتال سے آنے کے بعد ہم پہلی دفعہ چھت پر بیٹھے تھے تھوڑی دیر خاموشی کے بعد نبیل ہی نے بات شروع کی:

''مہروز! تم نے اپنے گھر والوں سے بات کی......؟''

''ثانی سے بات کی ہے۔''

”تو کیا کہا اُنہوں نے......“ نبیل نے جلدی سے پوچھا۔

”نانی تو بہت خوش ہوئی تھیں یہ سُننے کے بعد وہ آجکل میں ابو سے بات کریں گی۔

”تم نے میرا ذکر تو نہیں کیا......؟“ نبیل نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔

”وہ تو امی ابو سے میرا ذکر بھی نہیں کریں گی۔بس اُن کو ایک فکر تھی کہ تمھارے گھر والے نہیں مانیں گے۔“

”میرے گھر والوں کی فکر نہ کرو انہیں میں منالوں گا۔“

”ویسے تم نے بی بی جی سے بات کیا کی......؟“

نبیل نے ایسے پوچھا جیسے واقعی ہی میں نالائق آدمی ہوں۔اتنے سالوں کی دوستی میں آج پہلی بار ہم دونوں ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا پارہے تھے۔اُس دن ہمارے لیے چھت پر کوئی دودھ بھی لے کر نہیں آیا تھا،ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری چھوٹی بہن سعدیہ ٹرے میں دو پیالے دودھ رکھے ہوئے چھت پر آئی اُس نے آتے ہی کہہ دیا:

”میں عالی باجی کا پتہ کرنے گئی تھی تو انہوں نے کہا کہ میں آپ دونوں کو دودھ دے آؤں۔“

نبیل نے دودھ کا پیالہ اُٹھانے کے بعد میری بہن کے سر پر پیار دیا تھا۔اُس نے میری بہن کو عزت دی تھی اور میں شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا سعدیہ وہاں سے چلی گئی۔میں نظریں جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

”ہم کب تک ایک دوسرے سے نظریں چراتے رہیں گے......میں جانتا ہوں اِس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے۔“

نبیل نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مجھے اپنی عدالت سے باعزت بری کر دیا تھا مگر میں اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم بنا بیٹھا تھا۔

”مجھے بتاؤ نبیل پھر کون ہے قصوروار۔۔“میں نے اپنی ڈائری دیکھی ہے اُس میں 20 دسمبر کا Page لگا ہوا ہے......کبھی مجھے عارفہ پر شک ہونے لگتا ہے اور کبھی بسما پر......ثانیہ تو گناہ گار ہے ہی......“میں نے جذباتی ہو کر کہا تھا نبیل نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگا:”دودھ پیو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

”تم نے اُس دن کہا تھا کہ تمھیں سمجھ آگئی ہے مجھے بھی بتاؤ تم کیا سمجھے ہو۔“میں نے تلخی سے پوچھا۔

نبیل نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے دودھ پینے کو ترجیح دی دودھ ختم کرنے کے بعد اُس نے اپنا پیالہ رکھا اور اپنی سُنا دی:

''اپنے گھر والوں کو جلدی بھیجو رشتے کے لیے۔'' نبیل یہ بول کر چھت سے نیچے چلا گیا۔

☆......☆......☆

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو نانی میرے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں، مجھے دیکھا تو بیٹھنے کا اشارہ کیا میں بیٹھ گیا تو کہنے لگیں: ''تم عالی سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہو۔''

''کیونکہ میری وجہ سے وہ بدنام ہوئی ہے۔''

''بدنام تو وہ محبت کی وجہ سے ہوئی ہے......'' نانی نے مجھ پر جانچتی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے رائے دی۔

''کس محبت کی بات کر رہی ہیں نانی جو مجھے تین بار ہوئی تھی۔ میں تو بدنام نہیں ہوا۔''

''مرد محبت کرے یا نفرت وہ باعزت ہی رہتا ہے......عورت نفرت کر کے بھی بدنام اور محبت کر کے بھی بدنام!......تم صرف یہ بتاؤ اُس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو......؟''

میرے پاس نانی کے سیدھے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا میں نے نانی کو یہ جواب دیا:

''اب کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی ہی تھی۔''

''جو تمھارے حصے کی گولیاں اپنے جسم پر کھائے وہ کسی کی نہیں اپنی ہوتی ہے۔ وہ تو تم سے محبت کرتی ہے تم اپنی بتاؤ......'' میرے دل میں عالی کے لیے عزت بہت زیادہ تھی مگر میں محبت کا اقرار نہیں کر پا رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا میں کیوں عالی سے شادی کرنا چاہتا ہوں بس آپ میری اُس سے شادی کروا دیں۔''

نانی کچھ غور فکر کرنے لگیں:

''یہ صرف تمھاری خواہش ہے یا عالی کے گھر میں بھی کوئی چاہتا ہے۔''

''نبیل بھی یہ چاہتا ہے۔'' نبیل سے وعدے کے باوجود میرے منہ سے اُس کا نام نکل گیا نانی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''انشاءاللہ پھر یہ رشتہ ہو جائے گا......تمھاری تسلی کے لیے بتا دیتی ہوں تمھارے ماں باپ کو بھی میں نے

راضی کرلیا ہے۔تمہارا دوست سیانا نکلا......بہن کی غلطی کو گناہ نہیں بننے دیا اُس نے......"

"نانی اِس میں عالی کی تو کوئی غلطی نہیں ہے۔" میں نے عالی کی طرف سے خود ہی صفائی دے ڈالی نانی نے مجھے غور سے دیکھا پھر گویا ہوئیں:

"کبھی کبھی تو تم بھی بڑی سیانی بات کرتے ہو۔" پتہ نہیں نانی نے میری تعریف کی تھی یا طنز؟

☆......☆......☆

دو دن بعد میرے گھر والے عالی کے گھر پہنچ گئے۔نبیل نے اپنے گھر والوں کا ذہن پہلے سے بنا رکھا تھا، اوپر سے سونے پہ سہاگہ یہ ہوگیا کہ نانی نے ہی بات کی تھی۔

نبیل کے ابا کو ذات برادی کے تحفظات تھے، جن کو نانی اور نبیل نے مل کر دُور کر دیا تھا۔اِس طرح میرا عالی کے ساتھ رمضان کے مبارک مہینے میں بروز اتوار 20 دسمبر 1998 کو افطاری کے بعد انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ایک بات کا مجھے آج تک افسوس ہے کہ خلیل بھائی اپنی بہن کے نکاح میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔ خلیل بھائی تھوڑے بے وقوف ضرور تھے مگر دل کے اچھے تھے۔اُس وقت نبیل کے ابا خلیل اور اُس کے سسرال والوں کی شکل دیکھنے کو بھی تیار نہ تھے۔

☆......☆......☆

"محبت کے سر پر اگر عزت کی چادر نہ ہو تو وہ محبت بیوہ ہو جاتی ہے اور میں اپنی محبت کو بیوہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔آج عالی سے اپنے نکاح کے بعد میں نے خود سے عالی کی محبت کا اقرار کیا تھا۔جس دن عارفہ کا تنویر سے نکاح ہوا تھا میں نے اُس دن شادی سے پہلے محبت سے توبہ کرلی تھی۔اُس دن خود سے عہد کیا تھا کہ اب میں اپنی بیوی ہی سے محبت کروں گا۔عالی کی محبت دیکھ کر میں بیچ میں کمزور بھی پڑا تھا مگر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ایسا بھی نہیں کہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا ہے، میں خود ہی انجان بنا رہا میں نے کہا نا: "محبت کے سر پر اگر عزت کی چادر نہ ہو تو وہ محبت بیوہ ہو جاتی ہے۔" میں بھی نبیل کی طرح عالی کی عزت بچانے میں لگا رہا، ہمارے طریقوں میں فرق ضرور تھا۔میں تقریباً سچ جانتا ہوں پھر بھی کچھ سوالوں کے جواب صرف عالی کے پاس تھے۔وہ شرمندہ نہ ہو اس لیے میں اُس سے کبھی نہیں پوچھوں گا۔اُن سوالوں کے جواب میں چھت پر بیٹھا خود ہی

سے ہم کلام تھا۔ حیرت کی بات ہے نا اپنی شادی والی رات بھی میں چھت پر گیا تھا۔ نبیل بھی اوپر آ گیا تھا جیسے ہی میں نے اُسے دیکھا میں جلدی سے کھڑا ہو گیا اور نیچے جانے لگا۔ نبیل نے جاتے ہوئے مجھے روک کر کہا:

''مہروز میری بہن بہت بھولی ہے اُس کا خیال رکھنا۔''

میں خود ہی جذباتی انداز میں اُس کے گلے لگ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اپنے کمرے میں داخل ہوا تو عالی دلہن بنی بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے بارے میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا آج وہ میری دلہن بنی بیٹھی تھی۔ میں بھی عالی کے پاس بیٹھ گیا وہ سمٹ گئی۔ ہم دونوں ہی گونگے بنے بیٹھے تھے تھوڑی دیر بعد میں نے اُس کے بازو پر جہاں گولی لگی تھی بڑے پیار سے ہاتھ رکھ کر پوچھا:

''اب تمہارے زخم کیسے ہیں......؟''

''اب ٹھیک ہو جائیں گے جی......!''

''تم سامنے کیوں آئی تھی......'' میں نے عالی کی ٹھوڑی کو اوپر اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''غلطی میری تھی تو سزا بھی مجھے ہی ملنی چاہیے تھی۔'' میں نے عالی کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ عالی خود ہی تفصیل بتانے لگی:

''آپ سے بچپن ہی سے محبت کرتی ہوں......'' میں نے حیرت کے عالم میں عالی کی طرف دیکھا تھا۔

''اگر اس میں رتی برابر بھی جھوٹ ہو تو میں ابھی کے ابھی مر جاؤں جی۔'' عالی تھوڑی سی جذباتی ہو گئی تھی میں نے اپنی شہادت کی انگلی اُس کے ہونٹوں پر رکھ کر اُسے آنکھوں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ عالی نے میری شہادت کی انگلی کی چوم لیا پھر میری انگلی کو دائیں ہاتھ میں تھام کر کہنے لگی:

''میرے دل پر بوجھ رہے گا۔ آپ پلیز میری بات سُن لیں۔''

''بولو......'' میں نے مسکراتے ہوئے عالی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ عالی کو میرا اعتماد مل گیا تھا وہ بہتر محسوس کرنے لگی۔

''میں نے دو ڈائریوں میں سے صرف ایک کاغذ نکالا تھا۔ آپ کو خط لکھنے کے لیے......ابھی میں آپ کو خط

لکھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ آپ نے بھائی کو بسما کے قصے سنانا شروع کر دیئے۔ بسما کے نکاح کے بعد میں نے ایک بار پھر آپ سے رجوع کرنا چاہا تب تک آپ کے اور عارفہ کے نکاح کی باتیں شروع ہو گئیں تھیں۔ پھر میری شادی کی بھی تاریخ رکھی گئی تھی۔ جیسے جیسے میری شادی کے دن قریب آ رہے تھے میرا دل ڈوبے جا رہا تھا، پھر ایک دن ثانیہ کا فون آ گیا۔ ثانیہ سے میری اچھی ہائے ہیلو تھی اُس نے مجھ سے ایسے ہی پوچھ لیا میری شادی کے بارے میں بس پھر کیا تھا میں نے اُسے اپنے دل کا حال سُنا دیا۔ آخر میں ثانیہ نے مجھ سے پوچھا۔

''تم مہروز سے شادی کرنا چاہتی ہو......؟'' میں نے فوراً ہاں کر دی ثانیہ کہنے لگی:

''بدنامی ہو گی......''

میں نے کہا: ''پرواہ نہیں......''

''پھر جیسے میں کہتی ہوں ویسے کرتی جاؤ'' سب سے پہلے ثانیہ نے مجھ سے تنویر کی دُکان کا ٹیلی فون نمبر مانگا وہ میں نے اُسے دیا۔ ثانی نے تنویر کو عارفہ کے ساتھ شادی پر اُکسایا۔ اُس کے بعد ثانیہ نے مجھے کہا کہ میں کہیں سے انور کی دودھ دہی کی دُکان کا ٹیلی فون نمبر ڈھونڈ کر اُسے دوں میں نے انور کا نمبر بھی اُسے دے دیا۔ ثانیہ نے مہروز بن کر انور کو فون کیا اور میری طرف سے اُس کا دل کھٹا کرنے کی پوری کوشش کی مگر انور کو یقین نہیں آیا۔

ایک دن ثانیہ نے مجھے فون کیا اور پوچھنے لگی:

''تمھارے پاس مہروز کی ڈائری کا ایک کاغذ تھا۔''

''ہاں میں نے رکھا ہوا ہے سنبھال کر۔'' میں نے اُسے بتایا۔

''وہ تم مجھے TCS کروا دو۔''

''تم اُس کا کیا کرو گی۔'' میں نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

''اُس ڈائری کے کاغذ پر خط لکھ کر انور کے گھر والوں کو بھیجوں گی۔''

''وہ کیوں......؟''

''عام کاغذ پر لکھ کر بھیجوں گی تو مہروز تو آرام سے نکل سکتا ہے۔''

''تو مہروز کو نکلنے دو نا۔''

''میں تمھاری شادی انور سے توڑ کر مہروز سے کروانا چاہتی ہوں۔ اگر مہروز شک کے دائرے سے نکل گیا پھر تمھاری شادی کسی اور سے ہو جائے گی۔ اِس لیے وہ ڈائری کا کاغذ ضروری ہے۔''

''اِس طرح تو مہروز بھی بدنام ہو جائے گا۔'' میں نے فکرمندی سے کہا تھا۔

''نہیں ہوگا۔'' ثانیہ نے یقین سے کہا تھا۔

''وہ کیسے......؟''

''صرف میں تم اور مہروز جانتے ہیں کہ وہ کاغذ اُس کی ڈائری کا ہے۔''

''نبیل بھائی کو بھی پتہ ہوگا مہروز اپنی ہر بات نبیل بھائی سے کرتے ہیں۔'' میں نے جلدی سے ثانیہ کو بتایا تھا۔

''واؤ......پھر تو یہ اور بھی آسان ہو جائے گا۔''

میں نے وہ ڈائری کا کاغذ ثانیہ کو TCS کروا دیا تھا۔ تین دن بعد اُسی ڈائری کے کاغذ پر ثانیہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا خط مجھے مل گیا، جو میں نے انور کے گھر کے ایڈریس پر TCS کروا دیا تھا۔

شادی سے ایک دن پہلے پچھلے ٹائم وہ خط اُنھیں ملا تھا۔ رات بھر اُن کے گھر بحث ہوتی رہی انور یہ شادی کرنا چاہتا تھا مگر اُس کے گھر والے انکاری تھے۔ برات والے دن جب آپ اور نبیل بھائی پکوائی والی جگہ سے اُٹھ کر سونے کے لیے گئے تھے اُس سے کوئی دو ڈھائی گھنٹے بعد انور کے گھر والے وہ خط وہاں لے کر پہنچ گئے تھے، آتے ہی انھوں نے وہ خط خلیل بھائی کے ہاتھ میں تھما دیا، خلیل بھائی نے وہ خط پڑھ کر اباجی کے ہاتھ پر پھینکا اور خود پستول لے کر آپ کو تلاش کرنے لگا، کسی نے اُسے بتایا کہ آپ دونوں یہاں سوئے ہوئے ہو تو خلیل بھائی یہاں آ گیا جب یہ خبر مجھے ملی تو میں بھی بھاگ کر یہاں پہنچ گئی تھی۔''

عالی خاموش ہو گئی تھی اُس کی آنکھوں میں اشکوں کی چمک تھی اِس سے پہلے کہ وہ چمک ٹپک پڑتی میں نے عالی کو سینے سے لگا لیا تھا۔

''Sorry میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔''

اُن غم کے اشکوں نے خوشی کی شکل اختیار کر لی۔ عالی اور میں ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے۔

مجھے سب سوالوں کے جواب مل گئے تھے سوائے دو کے رات کے پچھلے پہر جب عالی میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی تو میں نے اُس سے پوچھا:

''تم نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیا......؟''

''بھابھی صغریٰ اور خلیل بھائی کو بہت اعتراض تھا اُس بات کو لے کر خلیل بھائی اور نبیل بھائی میں جھگڑ ہو گیا نبیل بھائی میری پڑھائی کے حق میں تھے۔ وہ جھگڑا ہی ہمارے گھر کے بٹوارے کا سبب بنا خلیل بھائی نے گھر اور دُکان میں سے ایک چیز کا مطالبہ کر دیا تھا۔ ابا جی خلیل بھائی کو کچھ بھی نہیں دینا چاہتے تھے پھر نبیل بھائی کے مجبور کرنے پر دُکان خلیل بھائی کو دینے پر راضی ہو گئے۔ ابا جی یہ چاہتے تھے کہ نبیل بھائی اپنا خاندانی کام ہی کریں مگر نبیل بھائی نے سپیئر پارٹس کا کاروبار کر لیا۔''

''تمھاری تعلیم کو لے کر گھر کا بٹوارہ تو ہو ہی گیا تھا پھر کیوں نہیں تم نے کالج میں داخلہ لیا۔''

''بھابھی صغریٰ نے گھر سے جاتے ہوئے امّی کو طعنہ دیا تھا کہ عالی کالج جا کر ضرور چن چڑھائے گی وہ بات میں نے سُن لی تھی اِس لیے میں کالج ہی نہیں گئی۔''

''چن تو تم نے اب بھی چڑھا دیا ہے۔'' میرے منہ سے لاشعوری طور پر نکل گیا تھا، عالی جو میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ وہ مجھ سے خفا ہونے کی بجائے مجھ ہی سے لپٹ گئی اور اپنا منہ میرے بازو میں دے دیا چند منٹ اِسی طرح گزر گئے عالی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اُس کی گرفت میں اپنائیت تو تھی میں پھر بھی پریشان تھا میں سوچ ہی رہا تھا کہ عالی سے کیا بات کروں وہ خود ہی میرے بازو سے سر نکال کر مجھے کہنے لگی:

''آپ میرا لباس ہو جی اور میں آپ کا...... میری غلطی کو صرف تین لوگ جانتے ہیں۔ میری سہیلی، میرا بھائی اور میرا لباس۔ بھائی اور سہیلی نے تو اپنا حق ادا کر دیا اب آپ کی باری ہے۔'' عالی نے میرے چھکے چھڑا دیئے تھے ایسا لاجواب مجھے زندگی میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

میں نے اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لیے جلدی سے بات بدلی:

''مجھے خط لکھنے کے لیے میری ڈائری میں ہی سے کیوں کاغذ نکالا......؟''

''اِس لیے کہ میں ڈائری نہیں لکھتی اور مجھے 20 دسمبر والا Page ہی چاہیے تھا خط لکھنے کے لیے......'' عالی

کے چہرے پر ایک دم خوشی لوٹ آئی تھی۔

''وہ کیوں......؟''میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی ڈیٹ آف برتھ ہے 20 دسمبر 1976 اور میری 20 دسمبر 1977۔ مجھے لگتا تھا یہ دن ہم دونوں کے لیے Lucky ثابت ہوگا۔ اِس لیے نبیل بھائی سے بول کر نکاح کی تاریخ بھی 20 دسمبر ہی رکھوائی تھی۔''

عالی 15 سولہ سالہ لڑکی کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی جس کا بچپنا ابھی باقی ہو۔ میری وال کلاک کی طرف نظر پڑی:

''اُٹھو جلدی کرو سحری کا ٹائم ہونے والا ہے۔''

☆......☆......☆

رمضان ہنسی خوشی گزر گیا عید آ گئی۔ عید سے چار دن بعد ثانیہ کی شادی امتیاز سے ہونی تھی۔ ہمارے سارے گھر والے ثانیہ کی شادی پر جا رہے تھے سوائے میرے۔ عالی مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھی پر میں تیار نہیں تھا۔

''چلیں نا......آپ اکیلے گھر پر رہ کر کیا کریں گے۔''عالی نے ضد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں تمھیں یاد کروں گا۔''میں نے بات ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

''لگتا ہے آپ میرے ساتھ خوش نہیں ہیں جی''عالی نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا تھا۔

''یہ تم سے کس نے کہا......؟''

''مجھے لگتا ہے......اگر آپ میرے ساتھ خوش ہوتے تو ثانیہ کو اب تک بھول چکے ہوتے۔''

''میں تو بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم ہو کہ یاد دلانے پر تلی ہوئی ہو۔''میں نے خائف ہو کر عالی کو جواب دیا تھا۔ عالی معصومیت سے بیڈ پر بیٹھی ہوئی مجھے ٹک ٹکی لگائے دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے اُس پر پیار آ گیا:

''دیکھو عالی میں تمھارے ساتھ بہت خوش ہوں۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ بہت خوش ہوں......میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی کہ اب آپ کے دل میں میرے علاوہ تو کوئی نہیں ہے......''

”مبارک ہو آپ امتحان میں پاس ہوگئی۔“
عالی یہ بول کر بیڈ سے اُٹھ گئی اور وہاں سے جانے لگی میں نے اُس کی کلائی پکڑ لی اور سنجیدگی سے پوچھا:
”اگر میں امتحان میں فیل ہو جاتا تو......؟“ عالی کے پاس میرے سوالوں کا جواب نہیں تھا۔ اُس نے گردن جھکا لی۔
”میری طرف دیکھو...... یہ سچ ہے کہ میں نے ثانیہ، بسما اور عارفہ کو دل سے چاہا تھا، اب میری چاہت، محبت عشق سب کچھ تم ہو۔“ عالی نے میری بات غور سے سُنی پھر بھولی صورت بنا کر کہنے لگی:
”Sorry جی۔“

☆......☆......☆

سب گھر والے ملتان چلے گئے میں گھر پر اکیلا تھا...... ہال روڈ سے گھر آ کر کوئی کام نہ ہوتا تھا...... چھت پر بھی اب ویسا مزہ نہیں آ رہا تھا۔ پہلے نبیل سے کبوتروں کے علاوہ ثانیہ، بسما، اور عارفہ کے متعلق بات کر لیتا تھا اب وہ بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی عالی کے قصے نبیل کو سُنا سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں وہ نیا رشتہ ہماری پرانی دوست کو کھا گیا تھا۔
نبیل بھی مجھ سے محتاط رہ کر بات کرتا تھا آفٹر آل میں اُس کا بہنوئی جو بن گیا تھا۔ وہ جو بات بات پر مجھے نالائق للو کہا کرتا تھا، عالی سے نکاح کے بعد اُس نے یہ کہنا بھی چھوڑ دیا۔
نبیل کبوتروں کے کھڈے کے سامنے کھڑا ہوا اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اور میں اُس کے پیچھے کھڑا ہوا ماضی کو یاد کر رہا تھا۔
”مجھ سے ناراض ہو نبیل!“ نبیل نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہنے لگا:
”نہیں تو......ناراض لگ رہا ہوں۔“ اُس نے میری آنکھوں میں خود کو دیکھتے ہوئے مجھ ہی سے پوچھا......؟
”کچھ تو ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو......“ میں نے نبیل کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
”ہاں......بہت کچھ ہے۔“ نبیل نے میری طرف شرمیلی سی نگاہ ڈالی، میں آگے بڑھا اور اُسے دونوں

کندھوں سے تھام کر گرم جوشی سے کہنے لگا:

''جو کچھ تمھارے دل میں ہے۔آج اپنے دوست سے سب بول دو۔''

''یار مہروز!فرزانہ کا رشتہ آیا ہے۔''نبیل نے مجھے اُداسی سے بتایا۔

''فرزانہ کے گھر والوں نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔''

''کہاں سے آیا ہے رشتہ......؟''

''جہلم سے لڑکا قطر میں ہوتا ہے......فرزانہ بتا رہی تھی......اُس کے گھر والوں نے ذہن بنالیا ہے۔''

''ذہن ہی بنایا ہے نا......ہاں تو نہیں کی......میں تمھارے امّاں ابّا سے بات کرتا ہوں......ہم کل ہی کاموکنی چلے جاتے ہیں تمھارا رشتہ لے کر۔''

''امّاں ابّا سے تم بات کرو گے..؟''نبیل نے مجھ سے ایسے پوچھا جیسے اُسے میری قابلیت پر یقین ہی نہ ہو۔

''ہاں میں بات کروں گا......آفٹر آل میں اُن کا اکلوتا داماد ہوں۔''نبیل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔میری بات سُن کر۔

''تم بیٹھو میں ابھی جا کر بات کرتا ہوں۔''

''ابھی......؟''نبیل نے میرے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......فرزانہ کا رشتہ ہونے کے بعد......''میں نے اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے جواب دیا۔

☆......☆......☆

''پتر اب تیری بات تو نہیں ٹال سکتے۔''نبیل کے ابّا نے حقّے کی نلی ایک طرف کرتے ہوئے اپنی رضا مندی ظاہر کر دی تھی۔

''کیوں خلیل کی ماں تم کیا کہتی ہو......؟''

''میں نے کیا کہنا ہے......خلیل کے ابّا......میرا پتر راضی جوائی راضی بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔عالی ملتان سے آجاتی ہے تو پھر رشتہ لینے چلے چلتے ہیں۔''

''کون کون جائے گا رشتہ لینے......''میں نے نبیل کے ابّا کی طرف منہ کر کے پوچھا۔

''دو جی تم اور دو ہم.......''

''خلیل بھائی اور بھابھی صغریٰ کو نہیں لے جائیں گے......؟'' میں نے شعوری طور پر پوچھا تھا۔

''نام نہ لو......اُس بے غیرت کا......'' نبیل کے ابا غصے سے گرجے نبیل کی اماں نے رونا شروع کر دیا۔

''خلیل کی ماں مت رویا کر اُس بے غیرت کے لیے۔'' نبیل کے ابا جلالی انداز میں بولے، تھوڑی دیر کمرے میں خاموشی رہی میں اُٹھ کر نبیل کے ابا کے پاس بیٹھ گیا۔

''تایا جی! آپ سے کچھ مانگوں۔''

''تو نے میری عزت رکھی ہے پتر جو دل کرتا ہے مانگ۔'' نبیل کے ابا نے کسی سخی کی طرح کہا۔

''تایا جی! اتنی ناراضگی کے باوجود آپ آج بھی خلیل بھائی کو بات بات پر یاد کرتے ہیں۔''

''میں نے کب یاد کیا......؟'' نبیل کے ابا نے اُس کی اماں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی صفائی دی میں ہلکا سا مسکرایا تھا اُن کا وہ انداز دیکھ کر۔

''تائی جی کو آواز دیتی ہو......تو آپ کہتے ہیں خلیل کی ماں دوسری طرف تائی جی جواب دیتی ہے۔ جی خلیل کے ابا۔ ہر بات میں خلیل بھائی تو ہوتے ہیں۔ جو دل میں رہتا ہو اُسی کا تو نام زبان پر آتا ہے۔'' نبیل کی اماں کے آنسو نکل آئے اُس کے ابا بھی جذباتی ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد نبیل کے ابا کہنے لگے:

''خلیل کو منانے اُس کی ماں ہی جائے گی اور دوسری بات میں خلیل کے سسرال والوں کو نہیں بلاؤں گا۔'' یہ سُن کر نبیل کی اماں نے اور زور سے رونا شروع کر دیا پھر روتے روتے کہنے لگی:

''واہ خلیل کے ابا اپنے پتر کو جوڑ رہے ہو اور میری بہن کو چھوڑ رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے اپنی بہن کو بھی جوڑ لے مگر ظفرو میرے گھر نہیں آئے گا۔'' نبیل کے ابا نے حتمی فیصلہ سنایا اور کمرے سے چلے گئے۔

''ظفرو کی تو میں بھی شکل دیکھنا نہیں چاہتی'' نبیل کی اماں نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ خلیل بھائی کی بیوی صغریٰ اُس کی سگی خالہ کی بیٹی تھی۔ اس لیے نبیل کی اماں کو اپنی بہن کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

نبیل کے رشتے کے لیے تو میں نے اُس کے گھر والوں کو راضی کر لیا تھا مگر جہلم کے رشتے کی تلوار اب بھی

لٹک رہی تھی۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا میں جلدی سے نبیل کے ابا کے پیچھے گیا وہ صحن میں ٹہل رہے تھے۔

''تایا جی! کاموکی فون کر دیں۔''

''وہ کیوں......؟'' نبیل کے ابا نے حیرانی سے پوچھا۔

''فرزانہ کا جہلم سے رشتہ آیا ہے......پھوپھو جی ہاں ہی نہ کر دیں۔'' نبیل کے ابا نے چند لمحے سوچا پھر کہنے لگے:

''کاموکی فون ملاؤ۔''

☆......☆......☆

میں چھت پر کامیاب لوٹا تو نبیل بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ میں نے اپنی خوشی چھپالی اور بُرا سا منہ بنا لیا۔ نبیل نے میرے چہرے کا جائزہ لیا پھر پریشانی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور میری طرف دیکھ کر خفگی سے کہنے لگا:

''یہ تمہارے بس کا کام ہی نہیں تھا۔ میں نے ایسے ہی تمھیں جانے دیا۔ مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔''

نبیل نے اپنی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کا مکا مارا اور پریشانی سے دوسری طرف منہ کر کے کچھ سوچنے لگا۔ میں چلتا ہوا اُس کے پاس چلا گیا اور اُس کے برابر لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گیا۔

''خلیل بھائی اور صغریٰ بھابھی کو بھی گھر آنے کی اجازت لے دی ہے۔ تائی جی اور تایا جی کو بھی منالیا ہے۔ تایا جی کی تمھاری پھوپھو کے ساتھ کاموکی بات بھی کروادی ہے۔ تایا جی نے پھوپھو سے کہا ہے کہ جیسے ہی عالی ملتان سے لوٹتی ہے ہم نبیل کا رشتہ لے کر آئیں گے۔'' میں نے یہ سب ایک ہی سانس میں بول دیا نبیل حیرت سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ میری بات ختم ہونے کے بعد وہ دم بخود حیرت میں مبتلا تھا، جیسے اُسے میری زبان پر اور اپنے کانوں کی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔

''تم سچ کہہ رہے ہو......؟'' نبیل نے میری طرف انگلی کر کے پوچھا جیسے تصدیق کر رہا ہو۔ میں گردن کو ہاں میں ہلاتے ہوئے مسکرایا تو نبیل فٹ سے مجھ سے لپٹ گیا۔

''یار تو بڑا جینئس نکلا۔ اتنی سی دیر میں سارے مسئلے حل کر دیے۔''

''سوائے ایک کے......'' میں اُسے بتانے ہی لگا تھا کہ نبیل نے جلدی سے پوچھ لیا:

''وہ کیا......؟''

''تایا جی اور تائی جی نے ظفرو کو معاف نہیں کیا۔'' نبیل کے چہرے کے تیور فوراً بدل گئے وہ دانت پیستے ہوئے بولا:

''اچھا کیا انہوں نے......نہیں تو میں......'' میں نے جلدی سے نبیل کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا:

''میں کیا......؟''

''میں اُسے گھر سے نکال دیتا۔''

''نبیل تم نے سارا الزام ظفرو پر ڈال کر اُس کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔'' میں نے تھوڑی جھجک کے ساتھ پوچھ ہی لیا یہ سوال کافی دنوں سے مجھے تنگ کر رہا تھا۔

''سیاہ چادر پر اگر کالی سیاہی کے چند چھینٹے اور پڑ جائیں تو اُسے کیا فرق پڑے گا......سارا علاقہ اُس کے کارناموں سے واقف ہے......اُس کی آنکھ میں سور کا بال ہے......اِسی لیے سب رشتے داروں اور محلے والوں نے میری بات پر فوراً یقین کر لیا تھا کہ یہ خط ظفرو نے کسی سے لکھوا کر گوجرانوالہ پوسٹ کیا ہوگا......نبیل میں نے کسی بھی صورت میں اپنی بہن پر الزام نہیں آنے دینا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں تمھیں پسند کرتی ہے، میں نے کئی بار اُسے تمھیں چھپ چھپ کر دیکھتے ہوئے دیکھا تھا۔'' نبیل کی باتیں سُن کر میرے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ نبیل کو اِس چیز کا اندازہ ہو گیا تھا اُس نے میرے گال پر پیار سے تھپکی لگائی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا:

''تم پریشان مت ہو......تم دوستی پر کھرے اُترے ہو......مجھے فخر ہے کہ تم میرے دوست ہو۔'' اُس نے میرے کندھے کو دباتے ہوئے اپنی بات ختم کی میں نے حیرانی کے عالم میں اُس سے پوچھا:

''تم اگر پہلے سے جانتے تھے تو......؟''

''تو بتاؤ......بھائی میرے کیا کہتا تم سے......؟'' نبیل کے جواب نے مجھے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

''یہ عالی کہاں رہ گئی ہے......اب تک دودھ لے کر نہیں آئی۔'' نبیل نے میری سوچ کے سلسلے کو جان بوجھ

کرتوڑا تھا۔ ہم دونوں ہنس پڑے اور کافی دیر ہنستے رہے۔ اُس دن ہم دونوں مہینوں بعد کھل کھلا کر ہنسے تھے۔

''اب میری بیوی کی جگہ تمھاری بیوی دودھ لے کر آیا کرے گی۔'' میں نے ہنستے ہنستے ہی کہا تھا۔ نبیل پھر سے میرے گلے لگ گیا اور میرے کندھے پر سر رکھ کر کہنے لگا:

''Thank You مہروز!''

☆......☆......☆

عالی! ملتان میں شادی انجوائے کر رہی تھی اور میں لاہور میں اُداس تھا۔ اُس کی کمی میں شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ مجھے رات کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے اپنے لکڑی کے صندوق کا خیال آیا جو پہلے تو میرے پلنگ کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ عالی سے میرے نکاح کے بعد پلنگ کی جگہ نئے بیڈ نے لے لی اور میرے صندوق کو چھت کی مٹی میں جگہ ملی۔ میں جلدی سے اُس صندوق کی چابی لیکر مٹی میں پہنچا۔ میں نے اُس صندوق کو کھولا، اُس صندوق میں عارفہ کے سارے دیئے ہوئے تحائف پڑے تھے۔ ثانیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مضمون اور میری رف گلابی کاپی کے اوپر ثانیہ کی لگائی ہوئی اُلٹی سیدھی لائنوں والا کاغذ بھی تھا۔

ایک کونے میں بسما کا دیا ہوا گفٹ پڑا تھا جو کہ گفٹ پیپر میں اب تک لپٹا ہوا تھا۔ بسما کے نکاح کے بعد کبھی من ہی نہیں چاہا کہ اُسے کھول کر دیکھوں۔

میں نے جب وہ گفٹ کھولا تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ بسما کے تحفے کے ساتھ ایک خط بھی تھا میں نے وہ تحفہ ایک طرف رکھا اور خط کھول کر پڑھنے لگا:

پیارے مہروز!

کیسے ہو......اُمید ہے اچھے ہی ہو گے......میں اپنے نکاح سے ایک دن پہلے تمھیں یہ خط لکھ رہی ہوں۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک میں صرف تمھاری ہی رہی ہوں، کبھی کسی کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا۔ مجھے تو ڈائری لکھنے کا کوئی شوق نہیں، تمھاری گفٹ کی ہوئی ڈائری پر صرف تمھاری ہی باتیں لکھی ہیں اور آئندہ بھی تمھاری ہی باتیں لکھوں گی۔

میں بے وفا نہیں مجبور ہوں......نانی نے میری مجبوری بتائی ہوگی۔ راحت بیکری میں تم جس لڑکی سے

ٹکرائے تھے وہ میری بیسٹ فرینڈ ارجمند تھی، میں نے اُسے تمھاری تصویر دکھا رکھی تھی۔ کینٹ میں اُس کی خالہ رہتی ہیں، وہ اپنے بھائی کے ساتھ ہمیں CMH ڈراپ کرنے آئی تھی۔ سندس کا پرس اُس کی گاڑی میں رہ گیا تھا تمھارے راحت بیکری جانے کے بعد وہ سندس کا پرس واپس کرنے دوبارہ CMH آئی تو میں نے اُسے راحت بیکری جانے کا کہا مجھے شک تھا کہ تمھارے پاس برگر لانے کے پیسے نہیں ہیں اِس لیے میں نے ارجمند کو راحت بیکری بھیجا تھا۔ وہ تم سے ٹکرائی اور اپنے بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ تمھیں ایسا لگا تھا۔ ارجمند تھوڑا آگے جا کر گاڑی سے اُتر کر دوبارہ راحت بیکری میں آئی، جب تم نے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کو اپنی گھڑی دے کر تین برگر خریدے وہ اُس وقت تمھارے پیچھے ہی کھڑی تھی۔ تمھارے جانے کے بعد اُس نے وہی گھڑی دو سو میں اُس شخص سے خرید لی اور مجھے سارا قصہ سنانے کے بعد وہ گھڑی واپس کر دی۔ ارجمند نے اُس دن مجھ سے ایک لائن بولی تھی:

''بسما یہ لڑکا تمھارے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اِسے کبھی مت چھوڑنا۔'' اب ارجمند کو کوئی بتائے کہ چھوڑا تو اُسے جاتا ہے جسے پایا ہو میں بدقسمت تو تمھیں پا ہی نہیں سکی۔ یہ گھڑی اب میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لینا۔ میں تمھیں بھولنے کی کوشش کروں گی تم بھی مجھے بھول جانا

فقط: بسما

بسما کا خط پڑھنے کے بعد میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ممّی میں ایک ٹوٹے ہوئے شیشے میں مجھے اپنا چہرہ نظر آیا میری آنکھیں نمکین پانی سے بھری پڑی تھیں۔ میں نے غور سے خود کو دیکھا وہ میں ہی تھا میں نے وہ CASIO کی گھڑی اُسی وقت اپنی کلائی میں باندھ لی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن میں ہال روڈ سے گھر لوٹ رہا تھا تو تایا ساجد رستے میں مل گئے۔

''السلام علیکم تایا جی!''

''وعلیکم السلام! کیسے ہو مہروز بیٹا......میں آج تمھاری طرف ہی جانے والا تھا۔''

''حکم تایا جی'' میں نے تابعداری سے پوچھا۔

”یار وہ پچھلا TV تو عارفہ نے توڑ دیا تھا......آج ہی پیٹی سے نیا TV نکالا ہے......صبح سے سیٹ کرنے میں لگا ہوں مجھ سے تو سیٹ ہی نہیں ہو رہا۔تو چل میرے ساتھ۔“

”تایا جی میں گھر سے کھانا کھا کر آتا ہوں۔“میں نے تایا جی کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

”رشتہ نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں......ہے تو اب بھی میرا بیٹا ہی ہے۔“تایا جی نے مجھے بازو سے پکڑا اور میری مرضی کے خلاف ہی مجھے اپنے گھر لے گئے۔

میں چھت پر اُن کا انٹینا ٹھیک کرنے کے بعد کمرے میں پہنچا تو عارفہ کھڑی ہوئی تھی۔اس سے پہلے کہ عارفہ کوئی بات شروع کرتی تائی جی چائے والی ٹرے اُٹھائے کمرے میں وارد ہوئیں۔میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا میں نے اُن دونوں کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

”تنویر کہاں چلا گیا۔“

”وہ مجھے واپسی پر لے جائے گا۔برکس روڈ تک گیا ہے۔امی کھانے کے ٹائم چائے کون پیتا ہے۔“عارفہ نے روکھے لہجے میں تائی جی سے کہا تھا۔

”پہلے چائے پی لو پھر کھانا بھی لاتی ہوں۔“

”مجھے نہیں پینی چائے شائے۔“عارفہ نے تلخی سے جواب دیا۔میں نے TV سے نظریں ہٹا کر اُن کی طرف دیکھا تائی نے عارفہ کو بُرا سا منہ بناتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا تھا۔

”مہروز کو بھی نہیں پینی چائے وہ میرے ساتھ کھانا کھائے گا۔“عارفہ نے مزید تلخی سے جواب دیا۔

”مجھے تو مت کھانے کو دوڑو......لاتی ہوں کھانا۔“تائی جی نے بے زاری سے کہا۔تائی کے جانے کے بعد عارفہ نے مجھ سے بڑی محبت کے ساتھ پوچھا:

”کیسے ہو مہروز......“

”تایا جی کدھر ہیں......؟“

”ابو عشاء کی نماز پڑھنے گئے ہیں۔“

”اُن کا TV سیٹ کر دیا ہے آتے ہیں تو بتا دینا۔“میں نے چلتے ہوئے کہا،عارفہ نے مجھے جیکٹ سے پکڑ لیا

اور کہنے لگی:

''ناراض ہو......''

''تمھیں کیا لگتا ہے......''

''مجھے معاف کر دینا مہروز......اگر میں تنویر سے شادی نہ کرتی تو وہ میری بہن کو طلاق دے دیتے۔''

''کر دیا ہے معاف۔'' میں نے اُس کے ہاتھ سے اپنی جیکٹ چھڑائی اور چل پڑا۔

''اوئے کھانا تو کھاتے جاؤ۔'' عارفہ نے تڑپ کر کہا۔ میں پھر بھی نہیں رُکا۔

''مہروز اگر تم نے میرے ساتھ کھانا نہیں کھایا تو میں سمجھوں گی کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔'' عارفہ کی یہ بات سُن کر میں تھم گیا۔

''سارا محلہ اور سارے رشتے دار تمھاری تعریف کرتے ہیں۔''

''میں نے تعریف والا کون سا کام کیا ہے۔''

''لوگ کہتے ہیں عارفہ کی تنویر سے شادی ہو گئی مہروز نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا پھر مہروز کے گھر والوں نے گجروں کی عزت بچانے کے لیے اُس کا گجروں کے گھر نکاح کر دیا وہ پھر بھی خاموش رہا......'' عارفہ بغیر وقفے کے بولے جا رہی تھی اور میں کھڑا عارفہ کی باتیں سُن رہا تھا۔

''تم اُس چھوئی موئی کے ساتھ خوش تو ہو۔ نا......؟'' میں نے عارفہ کو گھوری ڈالی تھی مگر اُسے میری گھوری سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اپنی دھن میں پھر بول پڑی:

''مہروز بھلے ہی تمھیں غصہ لگے تمھاری بیوی ہے چھوئی موئی سی......تمھارا اور اُس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔''

''تمھارا اور تنویر کا جوڑ ہے۔'' میری بات سُن کر عارفہ نے شرمندہ ہونے کی بجائے زوردار قہقہہ لگایا اور ہنستے ہوئے ہی بولی:

''میرے پیر دھو دھو کر پیتا ہے......اللہ بھلا کرے بی بی جی کا جس نے حق مہر لکھوا دیا......اور تنویر کی گردن میرے ہاتھ آ گئی......ویسے ایک بات ہے......میں اکثر سوچتی ہوں تمھارا رشتہ کیا سوچ کر بی جی نے عالی کے ساتھ کیا ہے۔''

''عالی کو دیکھ کر...... مجھے اُس چھوئی موئی سے بڑی محبت ہے۔'' عارفہ میری یہ بات سُن کر ہنس پڑی، اُس وقت تایا جی نماز پڑھ کر لوٹے تھے۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے میرے بچے سب کچھ ہونے کے باوجود بھی خوش ہیں'' تایا جی نے مجھے اور عارفہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تائی جی نے کھانا لگا دیا۔ جب میں نے منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے اپنی جیکٹ اُتاری تو میری کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر عارفہ کی نظر پڑ گئی۔ وہ زیرلب مسکرائی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب میں اپنے گھر کے لیے وہاں سے نکلا تو عارفہ نے پیچھے سے آواز دے دی۔ میں گھر کے بیرونی دروازے سے پہلے کھڑا ہو گیا۔

''محبت عالی سے کرتے ہو......اور کلائی سے میری نشانی باندھ رکھی ہے۔'' عارفہ نے میرے پاس آ کر ہولے سے کہا۔ میں تایا جی کے گھر سے نکل آیا اور سارے رستے یہی سوچتا رہا کہ میں کس سے محبت کرتا ہوں۔ ثانیہ، بسما، عارفہ یا پھر اپنی بیوی عالی سے...... گھر آتے آتے مجھے میرا جواب مل گیا تھا۔ میں نے گھر آ کر وہ گھڑی اُسی صندوق میں رکھ دی اور اُس کی جگہ اپنی شادی کی گھڑی پہن لی جو مجھے عالی کے گھر والوں نے دی تھی۔ اُس دن مجھے ایک اور بات کی سمجھ آئی کہ نکاح کے بعد جنم لینے والی محبت تمام محبتوں کو نگل جاتی ہے۔ جب عالی ملتان سے لوٹی تھی اُس کے بعد سے عالی اور ثانیہ کی دوستی بہت گہری ہو گئی تھی وہ دونوں ہفتے میں ایک دو بار ٹیلی فون پر بات ضرور کرتیں۔ عالی اُمید سے تھی۔ جب یہ بات گھر والوں کو پتہ چلی تو اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں دن گن گن کر گزار رہا تھا۔ چند مہینوں بعد نبیل کی فرزانہ سے شادی ہو گئی۔

☆......☆......☆

''یہ اتنے سارے روپے کہاں سے آئے......'' اپنے سامنے پڑی ہوئی رقم کو دیکھ کر میں نے پوچھا تھا۔

''میں نے اپنا سارا زیور بیچ دیا ہے......'' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا عالی پھر سے بول پڑی:

''چاچا جی اور چاچی جی سے مشورہ کیا تھا...... چاچا جی ہی سوئے بازار زیور بیچ کر آئے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ نہیں گئی تھی...... آپ ناراض مت ہونا جی...... زیور کا کیا ہے وہ تو پھر بن جائے گا۔ کاروبار بہت ضروری ہے۔ آپ کب تک کسی کے پاس نوکری کریں گے...... Sorry میں نے آپ سے پوچھا نہیں تھا۔'' عالی نے

مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا وہ بولتی رہی اور میں سُنتا رہا۔

میں نے اُن پیسوں سے ہال روڈ پر اپنی خود کی الیکٹرونک ورکشاپ شروع کر دی۔ میرا کام چل پڑا اور میں ترقی کرنے لگا۔ ایک دن میں گھر لوٹا تو عالی اُداس سی اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا میری عالی کو...... کیوں اُداس ہو......" میں نے عالی کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

عالی بات ٹالتے ہوئے باہر جانے لگی۔

"میں آپکے لیے پانی لے کر آتی ہوں۔" میں نے عالی کی کلائی تھام لی۔

"پہلے بتاؤ پریشان کیوں ہو......؟"

"ثانیہ کو طلاق ہو گئی۔" مجھے یہ سُن کر گہرا صدمہ ہوا تھا میں نے عالی کی کلائی چھوڑ دی وہ میرے لیے پانی لینے چلی گئی اور میں بیڈ پر لیٹ گیا۔

عالی کے ڈلیوری کے دن قریب آ گئے تھے ایک دن وہ میرے پہلو میں لیٹی ہوئی کہنے لگی:

"میری ایک خواہش ہے۔"

"کیسی خواہش۔"

"پوری کریں گے......؟" عالی نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بتاؤ......"

"پہلے وعدہ کریں کہ آپ میری یہ خواہش ضرور پوری کریں گے۔"

"وعدہ......" میں نے عالی کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُسے یقین دلایا تھا۔

"ثانیہ کی عدت پوری ہو گئی ہے۔" میں عالی کی بات سُن کر حیران ہوا تھا۔

"ثانیہ سے نکاح کر لیں۔" عالی نے ایسے کہا جیسے وہ ثانیہ کے لیے مجھ سے بھیک مانگ رہی ہو۔ میری حیرانی کو غصے میں بدلتے لمحہ بھی نہیں لگا۔

"تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ عالی بھی جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔" میں بھڑکتے ہوئے اپنے بیڈ سے اُٹھ گیا۔

''میری آخری خواہش سمجھ کر۔'' میں اپنے کمرے سے نکل رہا تھا اُس وقت عالی کے الفاظ میرے کانوں میں پڑے تھے۔

☆......☆......☆

ڈلیوری سے ایک دن پہلے تک میری عالی سے اُسی بات کو لے کرناراضگی رہی وہ چاہتی تھی کہ میں ثانیہ سے نکاح کرلوں مگر میں تیار نہیں تھا۔آخر میں عالی نے ہتھیار ڈال دیے۔

''Sorry مت کریں ثانیہ سے نکاح مجھ سے تو بات کریں ناجی......اِس وقت مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' عالی نے اتنے پیار سے کہا تھا پل بھر میں میرا غصہ ہوا ہوگیا۔

اگلی رات عالی کو درد اُٹھا۔فرزانہ بھابھی، نبیل اور میں عالی کو لیڈی ایچی سن ہسپتال لے گئے۔عالی کی طبیعت ایک دم بگڑ گئی تھی عالی کو آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے تھوڑی دیر بعد ایک نرس مجھ سے سائن لینے کی غرض سے آپریشن تھیٹر سے باہر آئی:

''عالیہ کے ساتھ کون ہے۔''

''جی میں ہوں۔'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔

''آپ یہاں سائن کردیں۔'' کلپ بورڈ کے اوپر لگے ہوئے چند کاغذات نرس نے میرے سامنے کر دیئے میں سائن کرنے لگا نبیل نے فکرمندی سے پوچھا:

''سائن کس لیے سسٹر......؟''

مریضہ کا BP بہت Low ہے ہم کو بڑا آپریشن کرنا پڑے گا جس سے اُن کی جان کو خطرہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''کیسا خطرہ......وہ تو بالکل ٹھیک تھی......میں نے خود اُس کے سارے ٹیسٹ کروائے ہیں۔'' میں نرس کی بات سُن کر ہڑبڑا اُٹھا تھا۔

''بس آپ دعا کریں۔'' نرس یہ بول کر چلی گئی۔مجھے جو جو کچھ آتا تھا میں نے آپریشن تھیٹر کے باہر سب کچھ پڑھ ڈالا نبیل اور فرزانہ الگ پریشان تھے۔

کوئی گھنٹہ ڈیڑھ بعد ایک ڈاکٹر نے باہر آ کر ہمیں صرف اتنا ہی کہا:

''دو بیٹے ہوئے مگر ہم ماں کو نہیں بچا سکے۔'' یہ بول کر وہ لیڈی ڈاکٹر تو آرام سے وہاں سے چلی گئی۔ میری تو جان ہی نکل گئی میں وہیں ٹھنڈے فرش پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن عالی کی تدفین کرنے کے بعد جب میں گھر آیا تو کیا دیکھتا ہوں میرے ایک بیٹے کو میری نانی نے پکڑا ہوا تھا اور دوسرا ثانیہ کی گود میں تھا۔ ثانیہ نے میرا بیٹا اُٹھایا ہوا تھا جو مجھے اچھا نہیں لگا کہیں نہ کہیں میرے دل میں وہ بات تھی کہ ثانیہ نے میری محبت کو ٹھکرا کر اُس ڈیلر کی دولت کو چُنا تھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا میں نے اپنے بیٹوں کو دیکھا تک نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد نبیل میرے دونوں بیٹوں کو اُٹھائے ہوئے کمرے میں آیا:

''اِن کو دیکھ تو لو۔'' نبیل نے دونوں بچے میرے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا میں نے اُن معصوموں کو دیکھا مجھ سے رہا نہیں گیا میں نے ایک بچے کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور چومنے لگا، بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ میں نے دوسرے بچے کو نبیل کے بازوؤں میں ہی چوم لیا تھا۔ میرا دل جو پچھلی رات سے اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ شکوے کر رہا تھا وہی میری اجازت کے بغیر ہی اللہ کے حضور شکر بجا لایا تھا۔

☆......☆......☆

اُس رات میں چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے عالی سیڑھیوں سے اوپر آتی اور نیچے جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ماضی کو حال میں دیکھ رہا تھا کھلی آنکھوں کے ساتھ۔

میں ہاتھ بڑھا کر دودھ کا پیالہ اُٹھانے ہی لگا تھا کہ عالی غائب ہو گئی۔ میرا ہاتھ خالی ہی واپس لوٹا تھا۔ میری چیخ نکل گئی اور میں سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔ نبیل مجھے تلاش کرتا ہوا چھت پر آیا تھا۔ مجھے روتا دیکھ کر جلدی سے میرے پاس آیا اور مجھے گلے لگا لیا۔

کافی دیر میں نبیل کے کندھے پر سر رکھ کر روتا رہا۔ نبیل نے مجھے صرف کندھا ہی پیش کیا تھا، زبان سے کوئی تسلی نہیں دی تھی۔ دُکھ میں اگر کسی کا کندھا ہی نصیب ہو جائے یہ بھی قسمت کی بات ہے۔ جب میری سسکیاں بند ہوئیں اور میرے آنسو رُکے تو نبیل نے میرا سر اپنے کندھے سے اُٹھایا اور میری طرف دیکھ کر پوچھنے لگا:

''ایک بات بتا سکتا ہوں۔'' میں نے نبیل کو ابرو سے؛ بولنے کا اشارہ کیا تھا۔

”عالی کی ایک بات امانت ہے میرے پاس کہو تو امانت سونپ دوں تمھیں۔“

”بتاؤ......“ میں بڑی مشکل سے صرف اتنا ہی بول پایا تھا۔

”کوئی دو ہفتے پہلے عالی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ثانیہ سے تمھارا نکاح کروانا چاہتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھانا چاہا مگر اُس نے اُلٹا مجھ ہی سے درخواست کر دی کہ میں تمھیں اِس بات پر قائل کروں۔ مجھے یہ بات اُس وقت انتہائی غیر مناسب لگی تھی اِس لیے میں نے تم سے بات نہیں کی۔“

”اُس وقت نہیں تو پھر آج کیوں کر رہے ہو۔“ میں نے روکھے لہجے میں نبیل سے کہا اور اُٹھ کر نیچے جانے کے لیے چل پڑا۔

”کیوں کہ اب یہ بات غیر مناسب نہیں ہے۔“ نبیل کی بات پر میرے قدم رُو کے تھے۔ میں نے ابھی چلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ نبیل جلدی سے میرے سامنے آیا اور کہنے لگا:

”نیچے جاؤ گے تو سب یہی بات کریں گے......مجھ سے بات کرنے سے پہلے عالی نے یہی بات بی بی جی سے بھی کی تھی۔ نیچے فیصلہ ہو چکا ہے۔“

”مجھ سے پوچھے بغیر ہی۔“ میں نے تلخی کے ساتھ نبیل سے کہا تھا۔ نبیل کے ہونٹوں پر گھائل مسکراہٹ اُبھری تھی۔

”نیچے والوں کے پوچھنے سے کیا ہوتا ہے۔۔ایسے فیصلے تو اوپر ہوتے ہیں......“ نبیل نے شہادت والی انگلی ستاروں بھرے آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے پھر سے کہا:

”وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے......زندگی اور موت کے ساتھ ساتھ اُس نے ملن اور جدائی بھی اپنے ہی پاس رکھی ہے۔ کب کس سے کس کو جدا کر دے اور کب کس سے کس کو ملا دے یہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔“

میرے پاس نبیل کی اِس دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اِس لیے میں خاموش ہی رہا۔

☆......☆......☆

اگلے دن صبح دس بجے مقامی مسجد عالی کی کی رسم قل تھی۔ وہی امام صاحب جنہوں نے 10 بجے عالی کا ختم قل پڑھا تھا، 11 بجے میرے گھر پر میرا ثانیہ سے نکاح پڑھا رہے تھے۔ ہے نا حیرت والی بات۔ ہم اگر غور کریں

توہم سب کی زندگیوں میں ایسے بے شمار حیرت انگیز واقعات ملیں گے۔

نکاح کے وقت ہمارا گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔کبھی کوئی میرے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہہ دیتا۔

''مبارک ہو۔''اور کبھی کوئی......میرے کان وہ مبارک بادیں سُن سُن کر پھٹنے کو تھے۔

جیسا کہ میں پیچھے لکھ چکا ہوں ملاّ کی دوڑ مسیت تک اور میری دوڑ چھت تک......گوالمنڈی میں رہنے والے مکینوں کی زندگیوں میں چھتوں اور تھڑوں کا اہم رول تھا،کسی حد تک وہ اثر آج کے دور میں بھی ہے۔

اِس سے پہلے کہ کوئی اور مبارک باد کی آواز میرے کان میں پڑتی میں چھت کی طرف بھاگا تھا۔میں سیڑھیاں چڑھ رہا تھا میرے سامنے یکدم بسما آ گئی وہ چھت سے نیچے آ رہی تھی۔ہم دونوں ہی رُک گئے۔

''ثانیہ کے ساتھ نکاح کی مبارک نہیں دوں گی۔ہاں عالی کا افسوس ضرور کروں گی۔مہروز عالی کی موت کا دلی دکھ ہوا ہے مجھے۔''بسما نے یہ کہا اور جلدی سے نیچے کی طرف چلی گئی اور میں چھت کی طرف۔چھت پر پہنچا تو میں نے دیکھا ڈھیر سارے مالٹے عارفہ کے سامنے پڑے تھے اور وہ دنیا سے بے نیاز مالٹوں کو نمک لگا لگا کر کھا رہی تھی۔عارفہ نے مجھے دیکھا تو جلدی سے صفائی دینے لگی:

''تنویر کو پتہ ہے میرا بلڈ پریشر Low ہو جاتا ہے۔اِس لیے مالٹے کھا رہی ہوں۔''میں نے اِردگرد دیکھنے کے بعد پوچھا:

''تنویر کہاں ہے......؟''

''وہ میرے لیے کیلے لینے گیا ہے......خالی مالٹے ہی اُٹھا لایا تھا میں نے کہا جاؤ کیلے بھی لے کر آؤ۔''اب تو میں چھت پر بھی نہیں رُک سکتا تھا میں نبیل کے گھر کی سیڑھیاں اُترنے لگا۔

''اوئے مہروز مالٹے تو کھا لو''عارفہ نے مجھے پیچھے سے آواز لگائی میں نے اُسے ہاتھ سے سلام کیا اور نیچے چلا گیا۔

نیچے پہنچا تو نبیل کی امّاں سے میرا سامنا ہو گیا وہ جلدی سے مجھ سے لپٹ گئیں انہوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا،میری بھی آنکھیں بھر آئیں میں اُن کو لے کر اُن کے کمرے میں چلا گیا اُن کو چپ کروایا۔تو اُن کا میری طرف دھیان آیا اُنہوں نے میرے چہرے پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا پھر رُندھی سی آواز میں کہنے لگی:

”رب سوہنے دی مرضی......عالی کا وقت آ گیا تھا پُتر......تیرے جیسا جوائی اللہ سب کو دے......عالی تیرے ساتھ بڑی خوش تھی......صبر کر پُتر صبر کر......تو میرا پُتر سو جا......کیسے تیری آنکھیں رو رو کر سُرخ ہو رہی ہیں۔“ نبیل کی امّاں نے مجھے پیار سے اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود ہی میرے اوپر رضائی دی کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

نبیل نے مجھے کندھے سے ہلانے کے بعد کہا تھا:

”مہروز اُٹھ جاؤ......رات کے 9 بج گئے ہیں۔“ میں آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

”منہ ہاتھ دھو لو میں فرزانہ کو کھانے کے لیے کہتا ہوں۔“ میں غسل خانے کی طرف چلا گیا اور نبیل باورچی خانے کی طرف۔ جب میں منہ ہاتھ دھو کر واپس لوٹا تو فرزانہ بھابھی نے کھانا لگا دیا تھا۔ میں نے کھانے کو دیکھنے کے بعد شکایتی نظروں سے نبیل کی طرف دیکھا نبیل میرا دیکھنا سمجھ گیا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا:

”مہروز تم نے پچھلے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔“ میں نبیل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ فرزانہ بھابھی بول پڑیں:

”آپ بھی تو پچھلے دو دن سے بھوک ہڑتال کیے ہوئے ہیں۔“ میں نے پلٹ کر فرزانہ بھابھی کی طرف دیکھا۔

”مہروز بھائی آپ کچھ کھائیں گے تو یہ بھی کچھ کھا لیں گے۔“ فرزانہ بھابھی نے انتہائی دکھ کے ساتھ کہا تھا۔ میں کھانے کے لیے بیٹھ گیا مجھے دیکھ کر نبیل بھی بیٹھ گیا پتہ نہیں میں نے نبیل کی وجہ سے کھانا کھایا تھا یا اُس نے میری وجہ سے۔

☆......☆......☆

کھانے کے بعد وہی پرانا ٹھکانہ میں اور نبیل چھت پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”تمھارا اور عالی کا 10 ماہ اور 21 دنوں کا ساتھ رہا، جبکہ ہم نے پورے 21 سال ساتھ گزارے تھے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ مجھے عالی کی موت کا تم سے زیادہ دُکھ ہے......تمھارا دُکھ بہت بڑا ہے، پھر بھی اِس سے نکلنا تو پڑے گا۔ ثانیہ! میری بہن کے بچوں کی ماں بن گئی ہے۔ اِس لیے میں نے بھی اُسے بہن مان لیا ہے۔ تم بھی

اُسے بیوی کے طور پر قبول کرلو۔ جاؤ تمھارے بیوی بچوں کو تمھاری ضرورت ہے۔'' نبیل نے مجھے تھپکی دی اور وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا میں کچھ دیر اُس کی باتوں پر غور کرتا رہاں پھر میں بھی اُٹھ کر چھت سے نیچے آ گیا۔

☆......☆......☆

میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ثانیہ ایک بچے کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی جبکہ دوسرا جھولے میں سویا ہوا تھا۔ نبیل کے الفاظ میرے کانوں میں گونجے:

''ثانیہ میری بہن کے بچوں کی ماں بن گئی ہے۔ اِس لیے میں نے بھی اُسے بہن مان لیا ہے۔ تم بھی اُسے بیوی کے طور پر قبول کرلو۔''

تقریباً 48 گھنٹے پہلے عالی میرے ساتھ اِس کمرے میں تھی اب اُس کی جگہ ثانی نے لے لی تھی میرے دو بچوں کی ماں بن کر۔ میں چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''السلام علیکم۔'' ثانیہ نے مجھے سلام کیا تھا۔ مگر میں نے اُس کے سلام کا جواب نہیں دیا اور خاموش ہی بیٹھا رہا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد ثانی نے ٹیوب لائٹ بند کر کے زیرو کا بلب جلا دیا تھا۔ میں بھی صوفے پر ہی لیٹ گیا تھا، جب ثانیہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی جھولے کی طرف منہ کر کے لیٹ گئی جس میں میرے دونوں بیٹے سوئے ہوئے تھے۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد ثانیہ اپنے بیڈ سے اُٹھی اور اپنا کمبل اُٹھایا اور میرے اوپر ڈال دیا اور خود الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ الماری کے اندر اُسے دو کھیس مل گئے تھے ثانیہ نے اُن کو نکالا اور اپنے اوپر لیتے ہوئے لیٹ گئی کوئی گھنٹے بعد میرا دوسرا بیٹا رو پڑا ثانیہ نے جلدی سے اُسے اُٹھایا اپنے سینے سے لگایا اور اُسے بھی دوسرے فیڈر سے دودھ پلایا وہ ثانیہ کی چھاتی کے ساتھ لگا لگا ہی سو گیا تو ثانیہ نے اُس کا بوسہ لیا اور اُسے پھر سے جھولے میں ڈال دیا۔ رات بھر میں نے زیرو بلب کی روشنی میں آدھی کھلی اور آدھی بند آنکھوں کے ساتھ ثانیہ کو عالی کے بچوں کی ماں کے روپ میں دیکھا تھا۔ ثانیہ نے اُس سلام کے علاوہ مجھ سے کوئی دوسری بات نہیں کی تھی۔ میں نے تو اُسکے سلام کا جوب تک دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی چند راتیں بھی اِسی طرح گزر گئیں میں صوفے پر پڑا رہتا اور ثانیہ کبھی بیڈ پر سو جاتی اور کبھی اُٹھ کر میرے

بیٹوں کو سینے سے لگا کر سلانے لگتی۔ فرق صرف اتنا آیا تھا پہلی رات ثانیہ کے اوپر دو کھیس اب ایک رضائی تھی۔ ان چند راتوں میں نہ ثانیہ نے مجھے بلایا اور نہ ہی میں نے ثانیہ سے کوئی بات کی تھی۔ سب گھر والوں کے ساتھ ثانیہ کا رویہ بڑا اچھا تھا، خاص طور پر میرے بیٹوں کے ساتھ اُن پر تو وہ واری واری جاتی تھی، وہ میں بھی پچھلی چند راتوں کے دوران خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ کہاں وہ ثانیہ جو اپنی ناک پر مکھی تک کو نہیں بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور کہاں یہ ثانیہ جو میرے بیٹوں کا ناک منہ چومتے نہیں تھکتی تھی۔



اگلے دن میں نانی کو ریلوے اسٹیشن ٹرین پر بٹھانے گیا تھا۔ نانی ملتان جا رہی تھیں۔ ٹرین کے آنے میں ابھی وقت تھا۔ میں اور نانی پلیٹ فارم پر ٹرین کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نانی نے میری طرف دیکھتے ہوئے بات شروع کی:

''میں جانتی ہوں تم نے اب تک ثانیہ کو بیوی کے طور پر قبول نہیں کیا...... بیٹا اب تم اُس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو......وہ پہلے ہی بہت دُکھی ہے اُسے مزید دُکھ مت دو......اُسے اپنا بنا لو''

''وہ تو دُکھ دینے والی ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا نانی نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر پوچھنے لگیں:

''کیا دُکھ دیا ہے اُس نے تمھیں......؟ یہی نا کہ اُس نے تمھاری بجائے اُسے موئے ڈیلر سے شادی کر لی......اور بتاؤ......؟ ہاں باپ کی تھانیداری پر اُس کو غرور ضرور تھا مگر اُس کے باپ کا رُتبہ اور عہدہ بھی اُس کا گھر نہیں بچا سکا۔ تمھیں پتہ ہے وہ ڈیلر اُسے شراب پی کر مارا کرتا تھا۔ جب عالی اور ثانیہ فون پر بات کرتی تھیں تو اُسے لگتا تھا کہ ثانیہ تم سے باتیں کرتی ہے۔ اُس کمینے نے ثانیہ پر بڑے ظلم ڈھائے ہیں۔ ...... یہاں نہ جاؤ وہ نہ کرو، اُس سے نہ ملو...... بات بات پر رُوکا ٹوکی کرتا تھا وہ بے غیرت۔ ایک دن ٹیلی فون کا بل دیکھ کر ثانیہ سے کہنے لگا:

''اپنے یار کو لاہور کم فون کیا کرو......'' ثانیہ نے صفائی دی کہ میں تو عالی سے بات کرتی ہوں تو غصے سے چلایا:

''ٹیلی فون کا بل تمھارا باپ دے گا۔'' ثانیہ نے اُسے منع کیا کہ وہ اُس کے باپ کو بیچ میں مت لائے تو اُس نے ثانیہ کو بہت مارا جب یہ خبر تیرے خالو طلعت کو پتہ چلی تو اُس نے امتیاز کی خوب مرمت کی۔ امتیاز نے غصے میں آ کر ثانیہ کو طلاق دے دی اور ملتان میں یہ خبر مشہور کر دی کہ ثانیہ کا اپنی خالہ کے بیٹے مہروز سے چکر تھا اِس لیے میں نے اُسے طلاق دی ہے۔ عالی کو لگتا تھا کہ اُس کی وجہ سے ہی ثانیہ کو طلاق ہوئی ہے۔ اس لیے وہ ثانیہ کا تم سے نکاح کروانا چاہتی تھی۔ عالی نے ثانیہ سے بھی بات کی تھی پہلے تو اُس نے انکار کر دیا تھا پھر عالی کے سمجھانے پر وہ مان گئی، مگر تم نہیں مانے تھے، اگر عالی زندہ ہوتی تو وہ بھی ثانیہ کے ساتھ تمھارا نکاح کروا کے ہی دم لیتی۔

مہروز بیٹا! ثانیہ تھوڑے غصے والی ہے۔ سب کے ساتھ گھلتی ملتی نہیں، کھری بات کرتی ہے۔ سب کا اپنا مزاج ہوتا ہے اُس کا بھی ہے، اِن سب باتوں کے باوجود وہ دل کی بڑی اچھی ہے۔'' انجن کی سیٹی بج گئی تھی نانی کی ٹرین پلیٹ فارم پر آ چکی تھی اگر ٹرین نہ آتی تو نانی کی باتوں کا سلسلہ مزید چلتا۔ میں نے نانی کو ٹرین میں بٹھایا جب میں واپس آنے لگا تو نانی نے میرا ماتھا چوما اور بڑی محبت سے کہنے لگیں:

''ثانیہ کا خیال رکھنا۔''



میں صوفے پر لیٹا ہوا ثانیہ کو ہی دیکھ رہا تھا اُس نے میرے بیٹے کو جھولے میں ڈالا ہی تھا کہ میں صوفے سے اُٹھ کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ثانیہ اچانک مجھے اپنے سامنے دیکھ کر ڈر سی گئی تھی۔ اِس سے پہلے کہ میں کوئی بات شروع کرتا میرے بیٹے نے رونا شروع کر دیا تھا۔

''یہ اُلو کا پٹھا پھر سے اُٹھ گیا ہے۔''

''یہ بڑا نہیں چھوٹا ہے۔'' ثانیہ نے میرے بیٹے کو جھولے سے اُٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑے چھوٹے کی پہچان کیسے کرتی ہو......دونوں ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔''

''ماں کو پہچان ہو جاتی ہے۔'' ثانیہ نے چھوٹے کو سینے سے لگاتے ہوئے ممتا کی آنکھ کے متعلق بتایا۔

''اِن کے نام نہیں رکھنے کیا......؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا موڈ ٹھیک ہو تو......'' ثانیہ نے مجھ پر شکوے سے بھرپور نگاہ ڈالی۔ میں تھوڑا سا شرمندہ ہوا۔ چھوٹا سو گیا تو ثانیہ نے اُسے جھولے میں ڈالتے ہوئے کہا:

''عالی نے مجھے دو نام بتائے تھے۔''

''تمھیں بتائے تھے......؟'' مجھے حیرت کا شدید دھچکا لگا تھا۔ ثانیہ نے گردن کو بڑے فخر سے ہلاتے ہوئے کہا:

''بڑے کا نام ریحان اور چھوٹے کا جودان۔''

''تو پھر ٹھیک ہے بڑا ریحان اور چھوٹا جودان۔'' میں نے اُسی وقت عالی کے بتائے ہوئے ناموں پر تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔ میں اور ثانیہ آمنے سامنے کھڑے تھے میں نے ہی بات شروع کی۔

''Thank You ثانیہ......''

''کس بات پر......؟''

''میرے بچوں کی ماں بننے پر......''

''ماں تو میں عالی کے بچوں کی بنی ہوں آپ کی تو صرف بیوی ہوں۔''

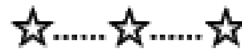
''یہ کیا بات ہوئی ثانیہ......؟''

''اب آپ مجھے ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''اب کیوں کہہ سکتا ہوں۔''

''اب حق ہے آپ کے پاس آخر میں آپ کی بیوی ہوں۔ جس طرح آپ مجھ سے یک طرفہ محبت کرتے تھے۔ میں بھی اُسی طرح یک طرفہ امتیاز کو پسند کرتی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ اچھی زندگی گزارنے کے لیے روپیہ سب سے اہم ہوتا ہے۔ میں غلط تھی اور عالی ٹھیک تھی۔ عالی نے مجھ سے کہا تھا کہ شوہر بُرا ہو تو گاڑی بنگلے کیا کرنا۔ میں عالی کو فون پر اپنے بڑے بڑے دکھڑے سناتی تھی اور وہ مجھے اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بتاتی تھی۔ مجھے اُس پر اُس وقت بڑا رشک آتا تھا......'' ثانیہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی پھر کہنے لگی: ''اگر آپ مجھے ثانیہ کی جگہ ثانی کہیں گے تو مجھے لگے گا کہ آپ نے مجھے اپنی بیوی کے طور پر قبول کر لیا ہے۔'' ثانیہ نے مجھے یہ یقین دلا دیا تھا کہ

وہ میری ہوگئی ہے۔ مجھے اُس سے اعتماد ملا۔ میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔



تقریباً سترہ سال ہوگئے ہیں میری اور ثانی کی شادی کو۔ ثانی نے اپنی اولاد نہیں پیدا کی، وہ تو ریحان اور جودان ہی کی ماں بنی رہی۔ وہ دونوں بھی مجھ سے زیادہ ثانی پر جان چھڑکتے ہیں۔

ثانی آج بھی مجھ سے اکثر عالی کی باتیں لے کر بیٹھ جاتی ہے، سچ کہوں تو وہ مجھ سے بھی زیادہ عالی کو جانتی اور چاہتی ہے۔ سُنا ہے جس سے انسان محبت کرتا ہو وہ اُس جیسا ہی ہو جاتا ہے۔ مجھے تو اب ثانی بھی عالی جیسی ہی لگتی ہے۔ عالی جب بات کرتی تھی تو اُس کے اکثر جملوں میں ''جی'' آتا تھا۔ میں نے نوٹ کیا ہے اب ثانی بھی اکثر جی کا استعمال کرتی ہے۔ ثانی مجھے آپ کہہ کر بلاتی تھی، شادی کے بعد مجھے نہیں یاد پڑتا ثانی نے مجھے آپ کے علاوہ کبھی مخاطب کیا ہو۔ ثانی کا کہنا ہے کہ عالی نے تو مجھے اپنی زندگی میں ہی قبول کرلیا تھا۔ خالی یہ بات ہی کافی ہے اُس کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے۔ ثانی کبھی اچھے موڈ میں ہو تو مجھے عارفہ اور بسما کا نام لے کر بھی چھیڑتی ہے۔ بسما کے شوہر کا سال پہلے زیرِ تعمیر مکان کی چھت گرنے سے انتقال ہو گیا تھا۔ اب اُس کا بڑا بیٹا کاروبار دیکھتا ہے اور بسما کی بیٹی ملائکہ ریحان کی کلاس فیلو ہے ہوسکتا ہے۔ بسما میری سمدھن بن جائے۔

عارفہ کے اب تک آٹھ بچے ہو چکے ہیں کتنے بیٹے اور کتنی بیٹیاں، یہ مجھے نہیں معلوم۔ تنویر سچ میں مشرقی شوہر ثابت ہوا ہے۔ نبیل اور فرزانہ بھابھی کے تین بچے ہیں بیٹی سب سے بڑی ہے جس کا نام نبیل نے عالی رکھا ہے اور اُس سے چھوٹے دو بیٹے ہیں۔ میرا اور نبیل کا ارادہ ہے کہ ہم جودان اور عالی کی شادی کریں گے۔

نبیل بھی اب ڈیفنس میں ہی شفٹ ہو گیا ہے۔ میں اور نبیل اب ہر ویک اینڈ پر اپنے اُسے پرانے محلے جاتے ہیں۔ نبیل نے اپنا وہ گھر کسی کو کرائے پر دے رکھا ہے اُس آدمی نے اُس مکان میں ایک ریسٹورنٹ کھول لیا ہے۔ اب ہم دونوں چھت پر اُسی جگہ کرسیوں پر بیٹھتے ہیں وہ الگ بات ہے کہ اب ہم دودھ کی جگہ بلیک کافی یا گرین ٹی پینے لگے ہیں۔ اب تو خلیل بھائی کی دکان سے بھی خالص دودھ نہیں ملتا۔ خالص دودھ تو اب بھینس کا کٹا یا پھر گائے کا بچھڑا ہی پیتے ہیں۔ اب کہاں لاہور میں خالص دودھ ملتا ہے۔

میں خود کو محبت کا چیمپئن سمجھتا تھا۔ آج میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھے محبت کرنا عورتوں نے سکھایا۔ نانی اور امی

کی شکل میں۔ میری امی جنہوں نے میری زندگی بچانے کے لیے خلیل کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ کبھی بہنوں کی شکل میں جو خلیل کے پیروں میں میری خاطر بیڑیوں کی طرح لپٹ گئی تھیں۔

عالی......! اُسے کیسے بھول سکتا ہوں جو میری ڈھال بن گئی تھی۔ ثانی......! جس کا کوئی ثانی نہیں اُس نے میرے بچوں کی خاطر اپنی جوانی گال دی۔

عالی اور ثانی میری بیویاں اِن دونوں نے میری زندگی کو گلزار بنا دیا۔ عالی جس کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ میری زندگی میں کیسے آئی اور جس کے بارے میں ہمیشہ سے ہی سوچا تھا وہ مجھے کیسے ملی۔ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ آنے والے وقت کے بارے میں تو صرف میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمارے ارادے ہماری سوچیں سب دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

میں اب بھی ڈائری لکھتا ہوں اور بہت سی باتیں دل کی ڈائری پر بھی خود بہ خود درج ہو جاتی ہیں۔ مگر ہوتا وہی ہے جو "اُس کی ڈائری" میں لکھا ہوتا ہے۔

......ختم شد......